اوّلیت سورۃ فاتحہ

اور

اوّلیت نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خطاب اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

شعبہ نشر و اشاعت
ادارہ منہاج القرآن اسلام آباد

نام کتاب —— اولیت سورۂ فاتحہ اور اولیتِ نورِ مصطفویؐ

ازافاداتِ عالیہ —— پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تعداد —— ایک ہزار

تاریخ اشاعت —— جون ۱۹۸۷ء

ناشر —— ادارہ منہاج القرآن
بلاک ۲۷-بی فرخ پلازہ
جی-۹ مرکز (کراچی کمپنی) اسلام آباد

قیمت —— ۴/ روپے

خوشنویس محمد اسحاق خان لالہ



مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حرفِ اول

جہاں اگرچہ دِگرگوں ہے قُم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قُم باذن اللہ

کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تیری رگوں میں وہی خوں ہے قُم باذنِ اللہ

برادرانِ دین و ملت! حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ؒ کا مندرجہ بالا قطعہ ادارہ منہاج القرآن کے کی بڑے احسن انداز میں ترجمانی کرتا ہے، ادارے کا مقصدِ وحید ہر قسم کے لسانی، گروہی، علاقائی اور نظریاتی تعصبات سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف اللہ ؐ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی کے لئے مسلمانانِ عالم کے دلوں میں محبت رسول ؐ کی بجھی چنگاریوں کو پھر سے سلگا دینا ہے اور ملتِ اسلامیہ کے بکھرے ہوئے موتیوں کو وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا کی مالا میں پھر سے پرو کر انہیں ان کے مقام و مرتبت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے، ادارے کا مدعا اُمتِ مصطفویؐ کو ہر سطح کے زوال و انحطاط سے نکال کر کفر و طاغوت کے خاتمے کے لئے صف آرا کرنا ہے۔

بے شک یہ پسندیدہ دین جس نے نازل فرمایا، وہی ذاتِ بزرگ و بالا اس کی محافظ ہے، لیکن یہ اس کی مرضی جس کو چاہے اس مقدس کام کیلئے منتخب فرمائے۔ عرصۂ قلیل میں ادارے کا مشن جس قدر تیزی سے پھیلا ہے، اور بانیٔ ادارہ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کو اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنے پیارے حبیبؐ کے صدقے جس قدر عروج فرمایا ہے، اس امر پہ دلالت کرتا ہے کہ یہ مشن حق و صداقت پر مبنی ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی کامل تائید حاصل ہے۔ ادارے کے تمام وابستگانِ خدا ؐ کے حضور اس بے پایاں احسان و انعام پر سربسجود ممنون و مشکور ہیں۔

مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۸۷ء کو جناب پروفیسر صاحب نے چوہدری رحمت علی کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں سلسلہ وار

[illegible]

حقیقتِ اولیتِ نبوت اور نورِ مصطفوی کے اول الخلق ہونے کے مسئلے کو جس پر احباب میں افراط و تفریط پایا جاتا ہے، قرآن و حدیث اور اقوالِ ائمہ کی روشنی میں انتہائی احسن انداز میں واضح فرمایا۔ زیر نظر کتابچہ آپ کے اسی درسِ قرآن کے خطاب پر مبنی ہے، ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام اس کو باعث سکونِ قلب و ذہن پائیں گے۔

ادارہ منہاج القرآن، اسلام آباد کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ آپ کے ہر درسِ قرآن کو بغیر ردو بدل کے تقریر ہی کے انداز میں شائع کر رہا ہے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اس سلسلے میں ہمیں اپنی آراء اور تعاون سے نوازیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل ان ٹوٹی پھوٹی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے، آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین۔

حقیر فقیر ہاشمی

احمد نواز انجم

۱۰ جون ۱۹۸۷ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی سیدنا ومولانا محمدٍ رسولہِ الامینِ المکین الحنین الکریم الروف الرحیم ۔ امابعد فاعوذ باللہِ من الشیطٰن الرّجیم ۝

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۝ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۝ صدق اللہ مولانا العظیم ۔

محترم مشائخ وعلماءِ کرام ، مکرم رفقاء واراکین ومعزز خواتین وحضرات ! اللہ رب العزت کا فضل وکرم اور احسان وانعام ہے کہ ہم آج محض اُس کی رضا کے لیے، اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی کے لیے قرآن مجید کے درس کی اس مبارک مجلس میں حاضر ہیں ، آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلا درسِ قرآن جو غالباً فروری ۱۹۸۰ء میں ہوا تھا اس میں ہمارا موضوع سورۃ فاتحہ کی تنزیل میں شانِ اولیت کا بیان تھا ۔ یعنی سورۃ فاتحہ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی سورۃ ہے ، اور اس پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے علماءِ کرام اور ائمۂ اسلام کے تین مختلف اقوال بیان کئے اور ان کے حوالے سے یہ واضح کیا تھا کہ کسی ایک مسئلے پر اہل علم کے ہاں اقوال کا مختلف ہونا یا مختلف احادیث اور روایات کا پایا جانا اِس بات کی دلیل نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ اس مسئلے پر دینی فکر میں تضاد ہے ۔ بلکہ اُن مختلف اقوال میں بھی ایک حکمت کارفرما ہوتی ہے اور اُس کو سمجھنے سے اُن اقوال کے مابین تطبیق ، باہمی مطابقت بھی ہوجاتی ہے اور اُس مسئلے کی نسبت علم ومعرفت کے کئی گوشے منظرِ عام پر آتے ہیں ۔ یہ گفتگو اصولی اعتبار سے ہم نے مکمل کی تھی اور پھر سلسلۂ کلام یہاں منقطع کیا تھا ۔ کہ ہم آئندہ درسِ قرآن میں انشاء اللہ تعالیٰ ، اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۔ کا پہلے نازل ہونا اور دوسرا قول یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ کا پہلے نازل ہونا اور تیسرا

قول سورۃ فاتحہ کا پہلے نازل ہونا ، ان تینوں اقوال میں پائے جانے والے ظاہری اختلاف کو جو کہ حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے ، بعض تمثیلات کے حوالے سے واضح کریں گے ۔ سو آج کی گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ اسی مقام سے آگے شروع ہو رہی ہے ، آج کی گفتگو میں اس مسئلے کی وضاحت بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گی اور اسی گفتگو کے دوران بہت سے دیگر اہم پہلو خاص طور پر عظمتِ نبوت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق' بھی بیان ہوں گے ، اس کی ایک بنیادی وجہ ہے اور وہ یہ کہ میں سمجھتا ہوں کہ اُمت مسلمہ کے ایمان کا امت مسلمہ کے اسلام کا اور امت مسلمہ کے دین کا ایک مرکز و محور ہے ۔ اور وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے ۔ حضور اقدس کی ذات پر ایمان لانا ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب اور تعظیم و تکریم بجا لانا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و اتباع کرنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی نصرت اور اس کی تائید کے لئے جدوجہد کرنا ، یہ سارے کے سارے حقوقِ نبوت ہیں جو اُمتِ مسلمہ کے اوپر واجب ہیں ، تو اگر آپ ان میں سے کسی ایک پہلو کا بھی جائزہ لیں ، یہ تو درست ہے کہ طلبانِ علم میں سے کچھ لوگ مسئلہِ ایمان پر زیادہ زور دیتے ہوں گے کچھ محبت کے مسئلے پر زیادہ زور دیتے ہوں گے کچھ ادب اور تعظیم و تکریم کے مسئلے پر زیادہ زور دیتے ہوں گے کچھ مسئلہ اطاعت و اتباع پر زیادہ زور دیتے ہوں گے اور کچھ نصرت و تائید رُسل یعنی دین کی تائید کرنا اور دین کی نصرت کرنا ۔ اور دین کے لیے جدوجہد کرنا اس پر زیادہ زور دیتے ہوں گے اس سے کوئی اختلاف نہیں یہ پانچوں باتیں حق ہیں ، ان پانچوں پر زور دینا یا پانچوں میں سے کسی ایک پر زور دینا حق ہے ، لیکن جو بات میں آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ ان پانچ راستوں میں سے جس راستے کو چاہیں اپنا لیں مرکز جا کر پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات بنتی ہے ۔ آپ اس بات کو ذہن نشین فرمالیں دراصل میں ایک بنیادی نکتہ سمجھانا چاہتا ہوں اور یہ نکتہ اگر سمجھ میں آجائے تو آپ یقین جانیئے کہ منہاج القرآن کی دعوت کا محور بھی صرف یہی نکتہ ہے اس کے سوا کچھ نہیں ۔ آپ ان پانچ راستوں میں سے جس کو چاہیں زیادہ اہمیت دے لیں اس سے انکار نہیں ہے ، پانچوں حق جو ہوئے اور پانچوں حقوقِ نبوت ہیں جو اُمت پر لازم ہیں ۔

اور پانچوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور سنتِ نبوی ؐ میں ہے ۔ اور پانچوں پر تعامل صحابہ کرام کا موجود ہے ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات میں ان پانچوں کی اہمیت و ضرورت موجود ہے ۔

مختلف طبقات کے مزاج ہوتے ہیں اہل علم کے علماء کے عاملین کے مزاج ہوتے ہیں کسی کی طبیعت کسی کے مزاج ایمانی اور مزاج روحانی کو رغبت ہوتی ہے زیادہ ایمان کے مسئلے پر STRESS کرنے سے ، کسی کے روحانی مزاج میں زیادہ رغبت ہوتی ہے مسئلہ محبت کی طرف اس کو کیف محبت کے بیان سے زیادہ نصیب ہوتا ہے ، کسی کی طبیعت میں زیادہ رغبت پائی جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و اتباع کے مسئلے کے ساتھ ، اُسے زیادہ سرور ، حضور ؐ کی اطاعت و اتباع اور اسوۂ پاک کی پیروی میں ملتا ہے ، کسی کو ادب اور تعظیم و تکریم رسالت سے زیادہ مانوسیت ہوتی ہے اور کسی کو دعوت اور تبلیغ اسلام کے حوالے سے نصرت دین اور تائید اسلام میں زیادہ لذت اور حلاوت نصیب ہوتی ہے اب ہوتا یہ ہے کہ چونکہ بدقسمتی سے اس دورِ زوال میں امتِ مسلمہ کے لوگ بٹ گئے ہیں مختلف طبقوں میں مختلف گروہوں میں اور یہ تقسیم اتنی گہری ہو چکی ہے اور اتنی مضبوط فصیلیں حائل ہو چکی ہیں کہ مختلف طبقے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ شاید یہ راستہ حق ہے اور باقی چیزوں پر زور دینا درست نہیں ۔ دوسرا یہ سمجھنے لگا ہے کہ جس پر میں زور دے رہا ہوں یہی حق ہے اور باقی چیزوں پر زور دینا معاذ اللہ اہم نہیں ، تیسرا سمجھ رہا ہے کہ جس پر میں STRESS کر رہا ہوں ، وہی درست ہے اور باقی چیزیں اتنی اہمیت کی حامل نہیں ، اگر آپ تجزیہ کریں تو آپ کو یہ سارا کچھ نظر آ جائے گا کہ ایسا ہو رہا ہے ۔ ایسا ہو رہا ہے یا نہیں ۔! یہ افراط اور تفریط ہے اس سے بچتے ہوئے صحیح اور سچی راہ یہ ہے کہ یہ سارے راستے حق ہیں ۔ اور سب متعلق حق ہیں ۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ آپ عملاً جس راستے پر چاہیں چلیں اور جس راستے پر چاہیں زیادہ STRESS کریں اور جس مزاج کو چاہیں اپنائیں لیکن اتنی بات کبھی نہ بھولیں کہ یہ پانچوں کے پانچوں راستے جس محور پر جا کر جمع ہوتے ہیں وہ محور ذاتِ گرامی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے ، یا یوں کہہ لیجئے کہ جس مرکز سے یہ پانچوں راستے نکلتے ہیں یا جس دریا سے یہ پانچوں نہریں پھوٹتی ہیں اس دریا کا نام

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے ۔ تو پتہ کیا چلا کہ اگر یہ پانچوں تشکیلِ دین ہیں اور سب تشکیلِ دین ہیں تو دین کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہوئی ۔ اور اگر یہ پانچوں راستے اسلام ہیں اور سب تشکیلِ اسلام ہیں تو اسلام کا محور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہوئی ۔

اس لئے ضرورت آج کے دور میں اس امر کی ہے کہ امتِ مسلمہ کے ذہنوں سے نسبتِ رسالت کا تصور اور تعلقِ نبوت کی اہمیت جو مادیت کے غلبے کے باعث کم ہوتی جا رہی تھی اور یہ علاقہ کٹتا جا رہا تھا آج اگر ایمان اور دین کو زندہ کرنا ہے تو اس کی ایک ہی شکل ہے کہ اس نسبت کو پھر سے بحال کر دیا جائے ، اس تعلق کو پھر سے مضبوط کر دیا جائے ، اب اگر تعلق رسالت مضبوط ہوگا تو پھر ایمان کی بات میں بھی جان ہے ۔ پھر محبت کی بات میں بھی جان ہے ادب کی بات میں بھی جان ہے ۔ اتباع کی بات میں بھی جان ہے ۔ اور نصرتِ دین کی بات میں بھی جان ہے ۔ اور اگر یہ نسبت کمزور ہے اور یہ تعلق مردہ پڑ گیا ہے تو پھر آپ جس راستے پر چاہیں چلتے پھریں آپ منزل کو کبھی نہیں پا سکتے ، اگر آپ کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے اور پھر اس نکتے کو سمجھ گئے ہیں تو اب آپ جان لیں گے کہ آپ نے میرے درس میں میرے خطابات میں ہمیشہ ایک قدرِ مشترک پائی ہوگی ۔ اور جو لوگ اس بات کی لطافت اور اہمیت کو نہیں سمجھتے وہ شاید اسے اعتراض کے انداز میں ممکن ہے ، میری نسبت سوچتے ہوں کہ موضوع جو بھی ہو ، وہ اس موضوع سے ہٹتے تو نہیں لیکن بات بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہی پر ختم کرتے ہیں ، یہ کبھی آپ سنتے ہوں گے ، اعتراض کرنے والے ممکن ہے اعتراض کرتے ہوں کہ توحید کا بیان ہو اطاعت کا بیان ہو ، دورِ جدید کے مسائل کا بیان ہو تفسیر کا بیان ہو ۔ کوئی بھی مسئلہ ہو وہ گھوم پھر کے بات یہاں آکر ختم کرتے ہیں اور ظاہراً کوئی سلیقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کا اس میں نظر آئے یا نہ آئے وہ لاتے ضرور ہیں ، میں یہی نکتہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگر معاذ اللہ یہ خطا ہے ، اگر معاذ اللہ تو میں یہ خطا کیوں کرتا ہوں فقط اسلئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مرکز ہے تو ساری گفتگو جائز ہے اور اگر یہ نہیں تو باقی سارا ذکر لغو ہے ، اس لئے کہ پھر کسی ذکر کی کوئی مناسبت ہی دین کے ساتھ نہیں ، جب دین کے مرکز سے ناطہ نہ رہا تو پھر دین سے کیا تعلق رہا ، آپ بات کو سمجھ گئے ہیں نا ۔

اس لئے میں نے عرض کیا کہ بے شک آج بھی بات سورۃ فاتحہ کے نزول کی اولیت ہی کی ہو گی
لیکن اس میں بھی روشنی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت سے ملے گی ۔ آپ اِس کو
بہانہ سمجھ لیجئے ہمیشہ کبھی تمثیل کے انداز میں کبھی تشریح کے انداز میں کبھی استدلال کے
انداز میں کبھی اِستدلال کے انداز میں ہمیشہ بات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکرِ پاک کی
طرف منسوب کرنا چاہیے وہ اسے بہانہ سمجھ لیں چاہیے ، مقصود سمجھ لیں ، ہماری بات شروع بھی
یہیں سے ہو گی اور ختم بھی یہیں پہ ہو گی ۔ اور میں دیانت داری کے ساتھ محسوس کرتا ہوں اور
یہی ہمارا مشن ہے کہ آج کثرت کے ساتھ مختلف بہانوں سے مختلف زاویوں سے
مختلف طریقوں سے اور مختلف وسیلوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ، مگر ایسا
ذکر جو ذہن میں بھی اُتر جائے اور دل میں بھی اُتر جائے ۔ ذکر ایسا ہو اور اس ڈھب کا ہو
اتنی کثرت سے کیا جائے اتنی کثرت سے کیا جائے کہ جو دل مانوس نہیں رہے ، وہ بھی
مانوس ہو جائیں ۔ جو طبیعتیں راغب نہیں رہیں وہ بھی راغب ہو جائیں اور جو ذہن دور
ہو چکے ہیں وہ قریب آ جائیں ۔

سو میں سمجھتا ہوں جس دن اِس اُمت کی زندگی میں یہ حال بحال ہو گیا ، اُمت پھر سے
زندہ ہو جائے گی ، یہ بنیادی تصور ہے اور منہاج القرآن کا پورا مشن اور میری ٹوٹی پھوٹی ساری
کوششیں اور مساعی یہ صرف اور صرف اسی مرکز کے اِرد گرد گھومتی ہیں ، ہمارا جینا بھی اِسی
کے لئے ہے ہمارا مرنا بھی اِسی کے لئے ہے ۔ اللہ اکبر

تو میں نے عرض کیا کہ ہم وہ تین اقوال کہ نزولِ قرآن کے باب میں آیا پہلی تنزیل سورۃ
فاتحہ کی ہوئی یا المدثر کی آیتوں کی ہوئی یا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کی ہوئی۔
اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے ہم آج چند تمثیلات کو سامنے لائیں گے ۔

پہلی تمثیل اِس مسئلے کو سمجھانے کے لئے میں مراتبِ طلوعِ فجر کی ، آپ کی خدمت
میں پیش کر رہا ہوں مراتبِ طلوعِ فجر اور حقیقتِ اولیت ، اس کے حوالے سے
ہم اولیت کی حقیقت کو سمجھیں گے ، جب انسان دیکھتا ہے کہ رات جاتی ہے اور فجر طلوع
ہوتی ہے تو اگر آپ اس پر غور کریں تو آپ بڑی آسانی سے اِس بات کو سمجھ لیں گے کہ رات

کا جانا بھی دفعتاً نہیں ہوتا اور فجر کا آنا بھی دفعتاً نہیں ہوتا، طلوعِ فجر بھی تین مختلف مرحلوں میں ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی جب اپنی بساط پیٹنے لگتی ہے اور رات کا پچھلا پہر آتا ہے اور صبح انگڑائیاں لیتی ہے اور کروٹیں لیتی ہے۔ اور صبح کا اجالا بے تاب ہوتا ہے کہ اپنے چہرے کو بے نقاب کرے، رات رختِ سفر باندھتی ہے تو طلوعِ فجر کے لئے سب سے پہلا مرحلہ صبح کاذب کا آتا ہے۔ تو صبح کا اجالا نور بن کے عمودی تشکل میں اوپر کی طرف اٹھتا ہے اور اوپر تک پھیلتا ہے اور اپنے چہرے کی ایک عمودی جھلک دکھا کر پھر اندھیروں میں چھپ جاتا ہے آپ اس کو صبح کہتے ہیں، کیا کہتے ہیں؟ صبح، لیکن صبح کاذب تو گویا طلوعِ فجر کا پہلا مرحلہ اس نورِ صبح کے عمودی طلوع سے آغاز پذیر ہو جاتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد صبح کا اجالا پھر نقاب پلٹتا ہے، اور پھر وہ اُفق کی سطح پر اپنی روشنی کو بکھیرتا ہے۔ آپ اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ اُفق کی سطح پر HORIZENTLY ساری ریکشل پھیلنے لگ جاتا ہے، اس کا پہلا پھیلاؤ VERTICAL ہوتا ہے اور دوسرا HORIZENTAL۔ اُفقی نمود ہوتی ہے فجر کی اور اب آپ کہتے ہیں یہ صبح صادق ہے، اب بھی صبح طلوع ہو گئی تو گویا طلوعِ فجر کا یہ دوسرا مرحلہ ہے، اگر آپ فجر کے چہرے کے نقاب پلٹنے کے حوالے سے دیکھیں تو پہلا طلوع وہ ہے جو عمودی ہوا تھا۔ اگر آپ اس کے اُجالے کے اُفق پر پھیلنے کے حوالے سے بات کریں تو پہلا طلوع یہ ہے جو اب صبح صادق کی تشکل میں ہوا ہے، لیکن آپ دیکھیں گے کہ صبحِ صادق کے باوجود اندھیرا مکمل طور پر رختِ سفر باندھ کر نہیں جاتا۔ اندھیرا ابھی باقی ہوتا ہے جس کو تغلیط کہتے ہیں غلط کہتے ہیں، اندھیرا باقی ہوتا ہے پھر فجر اپنے شباب پر آنا چاہتی ہے، تو رفتہ رفتہ اندھیرا جاتا ہے۔ اور تنویر کا مرحلہ آتا ہے۔ اس میں سفیدی آتی ہے سورج طلوع نہیں ہوا ہوتا لیکن فجر اپنے چہرے کو مکمل طور پر بے نقاب کر کے پوری سفیدی کو آسمان پر پھیلا دیتی ہے تو اگر آپ فجر کا مفہوم متعین کریں پہلی کروٹ کے حوالے سے تو صبح کاذب فجر ہے اس کو اوّلیت حاصل ہے۔ اگر آپ فجر کا مفہوم متعین کریں اس کی روشنی کے پھوٹنے کے حوالے سے تو صبح صادق اول ہے۔ اور اگر آپ فجر کا مفہوم متعین کریں اس کی روشنی اور سفیدی کے پھیلنے کے حوالے سے تو پھر نہ صبح صادق اول ہے نہ صبح کاذب، پھر تنویر کا مرحلہ جو آیا ہے یہ اول ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ فجر ایک ہی ہے انفجار ایک ہے (یعنی فجر کا پھوٹنا) مگر مرحلے تین ہیں اور ہر ہر مرحلہ اپنے اعتبار سے اول ہے بالکل اسی طرح جب فجرِ نزولِ وحی طلوع ہوئی تو اس کے بھی تین مرحلے ہوئے اور ہر ہر مرحلہ اپنے اعتبار سے اول ٹھہرا، جب افقِ عالم پر نزولِ وحی کی فجر کے طلوع کا وقت آیا تو غارِ حرا میں اُس نزولِ وحی کی ایک جھلک نظر آئی، پہلا چہرہ بے نقاب ہوا اور جب وحی کا پہلا چہرہ بے نقاب ہوا تو اُس سے جو نور پھوٹا اُس کا نام اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہے پھر تھوڑا وقت گزر گیا جس طرح صبحِ کاذب کے بعد صبحِ صادق تک کا وقت گزرتا ہے درمیان میں وقت گزرا وحی کے چہرے نے پھر نقاب پلٹا اور اُجالے کو تھوڑا اور بکھیرا تو جب دوسری شعاعیں چہرۂ وحی کی آشکار ہوئیں تو وہ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ پر مبنی تھیں، یہ طلوعِ فجرِ وحی کا دوسرا مرحلہ تھا اپنے اعتبار سے وہ پہلا تھا اس اعتبار سے یہ پہلا ہے لیکن سفیدی عالم پر ابھی نہیں پھیلی تھی سفیدی پھیلنے کا ابھی انتظار تھا تو سفیدی تب پھیلی جب اُمت کے نام باقاعدہ پیغام آتا تو وہ پیغام سورۃ فاتحہ بن کر آیا، تو یہ تین مرحلے ہوئے ہر مرحلہ اپنے اعتبار سے اول ہوا اور ان میں کوئی تضاد اور تناقض باقی نہ رہا۔

یہ تو ایک تمثیل تھی اب اسی طرح دوسری تمثیل مراتب ظہورِ آفتاب کی ہے یہ بات اس لئے سمجھا رہا ہوں کہ یہ نظامِ قدرت ہے یعنی ہم نے نزولِ وحی کے تین مرحلوں کا ذکر فقط ایک نسبت سے کر کے اس کے مؤقف کو واضح ہی نہیں کر دیا بلکہ غرض یہ کرنا مقصود ہے کہ پوری کائنات میں قدرت کا نظام اسی طور پر ہے تخلیقِ اول سے لیکر اس کی قدرتوں کے جتنے ظہور ہو رہے ہیں ہر ہر ظہور میں یہی نظام کارفرما ہے۔

چنانچہ ظہورِ آفتاب کے بھی مختلف مرتبے ہیں، پہلا مرتبہ یہ کہ جب ظہورِ آفتاب کا وقت قریب آتا ہے۔ تو سورج کی ٹکیہ ابھی اُفق کے پردے کے نیچے جب کروٹ بدلتی ہے تو اُفق نہیں پھوٹتا لیکن اس کے کنارے پر سرخی پھیلنے لگتی ہے۔ یہ طلوعِ آفتاب کی پہلی علامت ہے۔ جب سرخی پھیلنے لگے سمجھ لو کہ اب سورج کا چہرہ بے نقاب ہونے کو ہے یہ پہلی علامت ہے طلوعِ آفتاب کی پھر اُس کے بعد اُفق کا پردہ چاک ہوتا ہے اور آفتاب اپنا روشن ٹمٹماتا ہوا چہرہ لے کر جب ظاہر ہوتا ہے تو یہ طلوعِ آفتاب کا دوسرا مرحلہ ہے اب اگر علامت کے اعتبار سے دیکھیں تو طلوع کا پہلا مرحلہ اُس کی سرخی تھی اگر ظہور کے اعتبار سے دیکھیں تو اس کا پہلا مرحلہ اب ہے

جب ٹکیہ نمودار ہوئی لیکن ٹکیہ کے نمودار ہونے کے باوجود اس کی روشنی اور تمازت اور اس کی حرارت ابھی دنیا میں نہیں پھیلی ہوتی جبکہ یہ سورج کا مقصود ہے ۔ تو پھر سورج اوپر چڑھتا ہے اور جوں جوں چڑھتا جاتا ہے ۔ کبھی اشراق کے مرحلے پر آتا ہے ۔ طلوع ہونے کے بعد بھی پھر مرحلے ہیں طلوع ہونے سے پہلے بھی مرحلوں سے گزرتا ہے اور بعد از طلوع بھی مرحلوں سے گزرتا ہے ، پھر پہلا مرحلہ اس کی چمک جب کھلتی ہے تو اشراق کا آتا ہے پھر چمک دمک میں اضافہ ہوتا ہے تو پھر چاشت کا آتا ہے اور پھر اس کی حرارت اور تمازت جب جوبن پہ پہنچتی ہے تو نصف النہار کا وقت آتا ہے ، تو اس کے بھی مختلف مرحلے ہیں ، سو آپ آفتاب کے طلوع اور ظہور کو جس حوالے سے بھی متعین کریں ہر مرحلہ خاص اعتبار سے مرحلہ اولیٰ ہوتا ہے اور اگر ایک ترتیب سے دیکھیں تو پھر وہ مرحلے ترتیب کے ساتھ بنتے ہیں۔

حاضرین محترم ! یہ جو میں نے مثالیں آپ کو دیں رات کا جانا اور فجر کا آنا یا صبح کا آنا یہ مثالیں درحقیقت قرآن مجید سے مستنبط ہیں ۔ اور ان کی بنیاد قرآن مجید ہے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان مثالوں کو بیان کر کے قرآن کے نزول کو بیان کیا ہے ۔ اللہ جل مجدہٗ نے نزول قرآن کی حکمت کو اس طور پر سمجھایا ہے ۔ سورۃ التکویر میں ارشاد فرمایا: " وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ اب یہ بعد میں ہم انشاء اللہ قرآن کریم سنیں گے خواہ یہی سورۃ یا کوئی اور قاری سید صداقت علی صاحب تشریف لائے ہیں ، جو امریکہ میں ہمارے ادارہ منہاج القرآن کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں اور اللہ پاک نے انہیں قرآن اور منہاج القرآن کی برکت سے ایسی حسن کارکردگی کا صدارتی ایوارڈ بھی دیا ہے ۔ یہ ایوارڈ بے شک ظاہر میں خوشی کا اور دنیوی عزت کا باعث ہیں لیکن اس سے بھی بڑا ایوارڈ اللہ پاک قرآن کی خدمت کرنے والوں کو دیتا ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی صورت میں اللہ پاک وہ بھی عطا فرمائے ۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ قرآن مجید نے فرمایا ۔ " وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ " قسم ہے رات کی جب پیٹھ موڑے " وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ اور قسم ہے صبح کی جب سانس لے " إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ " بے شک یہ قرآن عزت والے رسول ﷺ کا پڑھا ہے یعنی

قرآن مجید کے الفاظ خود بولتے ہیں کہ یہ اُسی کا کلام ہے، اب یہاں تیز چلتے ہیں، تین آیتیں ہیں، پہلی آیتوں میں قسم ہے اور تیسری آیت میں قرآن کا ذکر ہے لیکن ان کے سیاق وسباق کا باہمی ربط یہ ہے کہ پہلی دو آیتیں تمثیل ہیں، اور تیسری آیت نزول قرآن کے مسئلے کو سمجھا رہی ہے ۔ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ " اب اگر آپ عسعس پر تفکر غور کریں تو قرآن مجید کے اندر ایک ہوتا ہے معنوی حسن اور ایک صوتی حسن، قرآن مجید کے الفاظ کے دو حسن ہوتے ہیں، ایک اُس کے معانی اور مطلب کا حسن اور ایک الفاظ قرآن کا صوتی حسن، یعنی قرآن مجید کے الفاظ کی جو آواز ہوتی ہے، صوت الفاظ کے اندر بھی کچھ حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں اور اُس کی صوت میں بھی معانی ہوتے ہیں۔ ایک جدا موضوع ہے اور اگر آپ اس کو سمجھنا چاہیں تو بار ستمال سے مناہج العرفان فی لفظ القرآن میری ایک کتاب ہے، وہ لے لیں، اُس کے آخری باب میں جو قرآن مجید کی حقانیت کے داخلی دلائل پر مشتمل ہے، اس میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کو دھیان سے اگر آپ، خلوت میں توجہ کے ساتھ پڑھیں تو قرآن مجید کے صوتی حسن کا مسئلہ سمجھ میں آجائے گا، یعنی قرآن مجید کے الفاظ کی جو آوازیں ہیں، اُن میں بھی معنی ہیں ۔ اور حکمت یہ ہے کہ جہاں عذاب کی بات ہوگی وہاں آپ دیکھیں گے کہ الفاظ اللہ پاک کے کلام میں ایسے ہوں گے ۔ کہ ان سے بھی خوف ودحشت ٹپک رہی ہوگی ۔ یعنی جس طرح کے معانی کا بیان ہو رہا ہو الفاظ کا صوتی حسن اسی طرح کا ہوتا ہے، اور اس کی صوتی نغمگی اسی طرح کی ہوتی ہے چنانچہ جہاں سمندروں کے پانیوں کے بہاؤ کی بات ہو، الفاظ میں بھی بہاؤ ہوگا۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۞ اب ان الفاظ میں بہاؤ ہے بس جو صوتی لطف کو سمجھ لے اس کو آواز ہی سے معانی تک پہنچنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

اب یہاں دیکھئے ۔ " وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ " عسعس کا جو لفظ ہے اس پر اگر آپ غور فرمائیں تو اس میں آہستگی اور تدریج کا معنی پایا جاتا ہے یا نہیں ؟ عَسْعَسَ " میں اس کے معنی پر بات نہیں کر رہا ۔ اس کی صوتی کیفیت پر بات کر رہا ہوں، عَسْعَسَ اس کا معنی چونکہ معلوم نہیں ہے عوام کو، اہل علم کو چھوڑ کر۔ لیکن جو معنی نہیں جانتے وہ فقط اس لفظ کی آواز پہ ہی توجہ کریں، تو کیا اس کے اندر جیسے آہستہ آہستہ کوئی چیز چل رہی ہے اور تدریج کے ساتھ چل رہی ہے، رفتہ رفتہ چل رہی ہے

: سورۃ الرحمٰن پ ۲۷ آیت نمبر ۱۹

کیا اِس کی آواز کے اندر یہ مفہوم نہیں ہے ؟ میں پھر پڑھتا ہوں " وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ " عَسْعَسَ میں اس کی صوت کے اندر آہستہ آہستہ چلنا ، رفتہ رفتہ جانا ہے تو قرآن مجید نے فرمایا " وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ " قسم ہے رات کی جب پیٹھ دے ، تو پیٹھ دے کے اندر کیا پایا گیا ، اشارہ کر دیا کہ رات اپنا رختِ سفر یک لخت نہیں باندھتی آہستہ آہستہ مرحلہ وار جاتی ہے ، وہی مرحلے جو ہم بیان کر چکے کہ رات جاتی ہے تو ایک ایک قدم پیچھے ہٹتی ہے صبح اپنا قدم آگے بڑھاتی ہے چونکہ رات کا جانا صبح کا آنا ہے اور ایک ایک قدم جوں جوں رات ہٹتی ہے صبح آگے بڑھتی ہے ۔ تو چونکہ دونوں کا تعلق ہے سو قربان جائیں قرآن نے کہا [1] " وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ " رات قدم بہ قدم پیچھے ہٹ رہی ہے صبح قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی ہے " اور قسم ہے صبح کی جب سانس لے " اب " تَنَفَّسَ " کیا ! تَنَفَّسَ ، اس میں اس میں بھی تدریج ہے لیکن ایسی تدریج جس میں آگے بڑھنا ہے اور عَسْعَسَ میں بھی تدریج ہے مگر ایسی تدریج جس میں پیچھے ہٹنا ہے تو آگے بڑھنے پر زور لگتا ہے اور پیچھے ہٹنے پر زور نہیں لگتا ، یہ بات درست ہے نا ؟ یعنی گاڑی جب جاتی ہے کوٹھے یا پہاڑوں کی طرف تو آگے جب بڑھتی ہے تو زور لگتا ہے ، اور جب پیچھے ہٹنے کا معاملہ ہو تو زور نہیں لگتا اب یہ جو زور ہے آگے بڑھنے میں اور پیچھے ہٹنے میں زور نہیں ہے اس فرق کو بھی دونوں الفاظ میں قائم رکھا تو زور شدّ (ّ) کے ساتھ ادا گر ہوتا ہے جہاں شدّ (ّ) آئے وہاں زور کا ہونا پتہ چلتا ہے اور جہاں نقطہ جزم کا سکون ہو وہاں زور کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اب پھر سنیئے وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ اس میں سکون ہے کوئی شد ہے ؟ نہیں ، تو چونکہ تشدید نہیں ، سو زور نہیں ہے آرام سے ہٹ رہی ہے اور وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ میں تدریج ہے لیکن ف پر شد ہے تو تنفّس کے پڑھنے میں زور لگتا ہے کہ نہیں ! جو زور پڑھنے میں ہے وہی صبح کے بڑھنے میں ہے ، یہ میں نے آپ کو ضمناً بات آرہی تھی ۔ ایک نمونہ سمجھا دیا کہ قرآن کے الفاظ کی صوت میں بھی معانی اور معارف ہیں اور یہ اپنی جگہ ایک مستقل فن ہے

[1] : سورۃ التکویر ۸۱، آیت نمبر ۱۷، ۱۸

اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص ذوق اور وجدان اس نوعیت کا عطا کیا ہو وہ عربی لغت کو جانے بغیر فقط معانی کو پا لیتے ہیں، ایسے افراد ہیں اور اس پر اہل علم نے بیان کیا ہے تو میں نے اس کا ایک نمونہ آپ کو ضمناً سمجھا دیا ہے۔

اب فرمایا کہ قسم ہے رات کی جب رفتہ رفتہ پیٹھ دے، سو اس میں لگے تمام مرحلے اور قسم ہے صبح کی جب آہستہ آہستہ آگے بڑھے، سانس لے، سانس لینے میں بھی تدریج ہے، آپ سانس لیتے ہیں پھر رکتے ہیں، پھر لیتے ہیں تو سانس لینے میں بھی گریجول پراسس (GRADUAL PROCESS) ہے، تدریجی مراحل ہیں اس لئے اللہ پاک نے صبح کی مثال دی اور وہ سانس کے ساتھ دی یہ دو مثالیں مرحلہ وار پیچھے ہٹنے اور آگے بڑھنے کی دے کر اب کہا کہ لوگو! تم ہر روز دیکھتے ہو کہ کس طرح رات کے ہٹنے میں مرحلے اور تدریج ہے اور صبح کے آنے میں مرحلے ہیں اور تدریج ہے اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے تو اب سمجھ لو کہ انہ لقول رسول کریم، کہ یہ قرآن بھی عزت والے رسول کا پڑھنا ہے اس کے آنے میں بھی تدریج اور نزول میں بھی تدریج ہے۔

اب اس قرآن کے نزول کا ایک وقت رات اور صبح سے تعلق کیا ہوا! آپ سوچ سکتے ہیں نا کہ قرآن کا اترنا نور ہے تو صبح کی مثال دینا تو مناسب تھی کہ اس سے نور آتا ہے مگر رات کی مثال دینے کی کیا ضرورت تھی؟ نہیں، یہ دونوں مثالیں قرآن کے نزول کیلئے لازم ہیں قرآن نور تھا، اللہ کے کلام کی شکل میں نور تھا۔ یہ آیا اور اس کے اترنے سے پہلے رات ساری تاریک تھی، ظلمتوں کی رات تھی، ظلمتوں کے بادل تھے تاریک رات تھی شبِ تاریک نے ہر طرف اندھیرا کر رکھا تھا سو جوں جوں قرآن کی صورت میں وحی کا طلوع کرنا بدلتا گیا شبِ تاریک کی ظلمتیں رخت سفر باندھتی گئیں تو ادھر ایک ایک آیت اترتی گئی، ادھر ایک ایک اندھیرا چھٹتا گیا اور ایک ایک اجالا آتا گیا۔

اس طرح قرآن کا اترنا رات کے جانے سے بھی متعلق ہوا اور صبح کے آنے سے بھی متعلق ہوا۔ کہ قرآن کا اترنا تھا کہ شب تاریک جاتی گئی اور صبح منور آتی گئی یہ دونوں باتیں اس سے متعلق ہیں۔ اس لئے ہم نے نزول قرآن کے مسئلے کو ان دو تمثیلات کے ذریعے واضح کیا۔

[illegible]
انفجار، انفصال اور انفتاح۔ جس طرح کہ فجر کے باب میں ہم بات کر رہے تھے کہ پہلے اُفق کا سینہ چاک ہوتا ہے اور فجر پھوٹتی ہے یہ انفجار کہلاتا ہے۔ جہاں سینہ پھٹے اور فجر پھوٹے یہ انفجار ہے لیکن ابھی دن اور رات میں فرق نظر نہیں آتا، اندھیرا قائم ہوتا ہے، پھر دوسرے مرحلے پر جب صبح صادق کا اجالا پھیلنے لگے تو یہ انفصال کا مرحلہ ہوتا ہے کیا؟ انفصال فصل ہو جاتا ہے۔ فرق ہو جاتا ہے اب فرق اجاگر ہونے لگتا ہے کہ یہ رات تھی جو جا رہی ہے اور دن اور صبح ہے جو آ رہی ہے اب فرق نظر آنے لگتا ہے اور جو فرق نظر آ جائے تو پھر تیسرا مرحلہ آغاز کا ہوتا ہے یعنی رات اب چلی گئی تو دن کا آغاز ہوا، وہ انفتاح ہے تو جس طرح رات کے جانے اور صبح کے آنے میں تین مرحلے ہیں، پہلا مرحلہ انفجار ہے، جس میں فقط رات کے پردے چاک ہوتے ہیں اور فجر پھوٹتی ہے دوسرا مرحلہ انفصال ہے، جس میں رات اور فجر جدا جدا ہوتے ہیں اور تیسرا مرحلہ انفتاح ہے جب صبح اور دن کا آغاز ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ پاک نے اپنی وحی اور اپنے قرآن کو نازل کیا، غارِ حرا میں وحی کا اترنا انفجار تھا۔ اللہ اکبر، غارِ حرا میں وحی کا اُترنا انفجار تھا، شبِ تاریک کا سینہ چاک ہوا، اور وحی کی کرن پھوٹی اور فجرِ نبوت طلوع ہو گئی یہ انفجار تھا، پھر دوسرا مرحلہ انفصال کا تھا۔ اب اس میں حکم آیا ؎۱ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ اے کملی اوڑھنے والے پیارے! اے چادر اوڑھنے والے پیارے! قم اٹھ کھڑا ہو، فا انذر۔ اور جو اللہ سے غافل ہیں اور جو اللہ سے باغی ہیں انہیں ڈرسنا دے۔ اب یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے پہلی آیت اُتری۔ ؎۲ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، اس سے فجر پھوٹ گئی ظلمتوں کا سینہ چاک ہو گیا، کرن طلوع ہو گئی لیکن اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسا پیغام آئے جس سے جانے والا باطل اور آنے والا حق

؎۱: سورۃ المدثر پ ۲۹ آیت نمبر ۱-۲
؎۲ سورۃ العلق پ ۳۰ آیت نمبر ۱

دونوں جدا ہو جائیں۔ تو جب دوسری آیت، انفصال کے لئے اتری تو اس کے الفاظ تھے " قُمْ فَاَنْذِرْ " میرے محبوبؐ! اٹھ کھڑا ہو اور ایسی آواز بلند کر کہ حق، حق دکھائی دینے لگے باطل، باطل دکھائی دینے لگے جو بغاوت کر چکے ہیں اپنے مولیٰ سے ان کو ڈر سنا " ۳ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۞ اور اپنے رب کی بڑائی اور اپنے رب کی عظمت کا نعرہ بلند کرنا کہ جھوٹی عظمتوں کے سارے بت پاش پاش ہو جائیں، یہ انفصال تھا، اس نے فرق کر دیا کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یہ کوئی جو اپنی نسلی عظمتوں کا ڈنکا بجاتا ہے کوئی قبائلی بڑائی کے ترانے گاتا ہے، کوئی بتوں کی عظمت اور اس کی کبریائی کے سامنے جبینِ نیاز خم کرتا ہے، یہ جتنی جھوٹی اور بے کرام عظمتیں دنیا میں ہیں " وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ " فقط اپنے رب کی کبریائی کا نعرہ مستانہ بلند کر کے سب جھوٹی کبریائی کے بت پاش پاش ہو جائیں۔ یہ انفصال تھا دوسری آیت " اِنفصال " اور اس میں چونکہ اٹھنے کی بات ہے اور اٹھ کر انقلاب بپا کرنے کی بات ہے اور باغیوں کو ڈر سنانے کی بات ہے تو اب اس میں بھی دیکھیئے کہ وہی صوتی حسن ہے " قُم " ق اور ک، کشش والا دونوں میں فرق ہے، فرمایا " قُمْ فَاَنْذِرْ " ہے کہ نہیں اس میں ایک رعب دار بات؟ ڈرانے کی بات اور غافلوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کی بات، تو جہاں اللہ پاک انقلاب بپا کرنے کا حکم دیتے ہیں وہاں الفاظ ہی وہ ہیں کہ جن کے بولنے سے تہلکہ بپا ہو جائے یہ قرآن مجید کے صوتی حسن کی بات ہے، یہ انفصال ہوا۔ اس کے بعد ضرورت تھی، انذار اور انفصال کے ہو جانے کے بعد کہ اب سلسلۂ تعلیمات قرآنی کا آغاز ہو جائے۔ اور سلسلہ ہدایت ربانی کا آغاز ہو جائے تو آغاز کو افتتاح کہتے ہیں تو اس آغاز کیلئے جو سورۃ اتاری وہ پہلی سورۃ تھی جس نے انسانی زندگی کو سبق دیا، مکمل سبق دیا چونکہ وہ آغاز کرنے والی تھی اس لئے اس کا نام بھی " الفاتحہ " رکھا کہ یہ آغاز کرنے والی ہے سلسلہ تعلیمات کا۔

۳ سورۃ المدثر پ ۲۹ آیت ۳

یہ دو تمثیلات تھیں اور ان کا خلاصہ تھا ۔ اب اس سے بھی زیادہ پُر لطف ، ایمان انگیز ، تمثیل جس سے میں اس بات کی زیادہ توضیح کرنا چاہتا ہوں ، وہ مراتبِ اولیتِ خلق کی ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے کس کو پیدا کیا ؟ اولیتِ خلق اس تخلیق میں سب سے پہلے کون ہے ! اس کے بھی مرتبے ہیں اور وہ بات تب سمجھ آتی ہے جب تطبیق کا مفہوم سامنے ہو ، تو حدیث پاک میں آتا ہے ، کہ صحابہ کرام رضؓ کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، ماللہ پاک نے سب سے پہلے کِسے پیدا کیا ، ایک سوال اُٹھا اور بڑا فطری سوال ہے قدرتی سوال ہے ۔ سوچنے والے ذہن سوچتے ہیں کہ سب سے پہلے کون پیدا کیا گیا اور سلسلہ خلق کا آغاز کس سے ہوا ۔ ! تو صحابہ کرام جن میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، نے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام سے پوچھا ۔ [1] یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، اَخْبِرْنِیْ اَنْ اَوَّلَ شَیْئٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ " یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بتایئے کہ اللہ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا ۔ ایک سوال تھا ۔ اولیت خلق پر ، جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ! یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُّوْرِهٖ - " یہ مصنف عبدالرزاق ، امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حدیث کی کتاب ہے ، امام عبدالرزاق امام بخاریؒ کے دادا اُستاد ہیں ۔ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے امام عبدالرزاق جیسا حدیث میں پختہ کوئی امام نہیں دیکھا ۔ اس پائے کے امام ہیں حدیث میں انہوں نے روایت کیا ، امام بیہقی نے بھی ، بہت سے محدثین نے اور قسطلانی جلد اول ص۹ پر تفصیل کے ساتھ یہ حدیث درج ہے ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جابر رضؓ ! اللہ پاک نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا ۔

یہاں ایک مغالطے کا ازالہ کر دوں بعض خطباء علماء نہیں خطباء اور مقررین اور واعظین اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اس طرح کا معنیٰ لیتے ہیں ۔ کہ اللہ نے تیرے نبی کا نور اپنے نور

[1] : سورۃ فاتحہ اور تفیر تخمیس ص۵۲ الحدیث بحوالہ مصنف عبدالرزاق بحوالہ قسطلانی جلد ۱ ص۹ بیہقی وغیرہ

[2] : " " " " " " " "

میں سے پیدا کیا ۔ اور "میں سے" پیدا کرنے کا مطلب گویا یہ ہے کہ اللہ کا نور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نور کے لئے مادہ تھا ۔ میداء تھا اس میں سے پیدا کیا ، یہ تصور غلط ہے ، تصور یہ نہیں ہے ۔ اللہ کا نور کسی نور کے لئے مادہ نہیں ہے ، بلکہ " نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ " ۔ میں ، مِنْ تبعیضیہ نہیں ہے ، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور براہِ راست اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا ، یہ معنیٰ ہے " مِنْ نُوْرِہٖ " کا معنیٰ کیا ہے ۔ ! براہِ راست اپنے نور کے فیض سے بغیر کسی درمیانی واسطے کے تیرے نبی کا نور پیدا کیا ، چونکہ اوّلُ الخَلق ہو رہے تھے ۔ جب اللہ نے مخلوق میں سب سے پہلی چیز نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا تو صاف ظاہر ہے کہ درمیان میں کوئی اور واسطہ نہ تھا ۔ پس چونکہ براہِ راست پیدا کیا اور پیدا کیا اپنے نور کے فیض سے تو اس لئے فرمایا " مِنْ نُوْرِہٖ "

چنانچہ اس حدیث سے اولیتِ تخلیقِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسئلہ معلوم ہوگیا اب اس موضوع پر بہت سی اور احادیث موجود ہیں اگر آپ شوق کے ساتھ اس مسئلے کو پڑھنا چاہیں تو بہت سی کتابوں میں ہے ، عربی زبان میں لکھی گئی بہت سی کتابوں میں احادیث موجود ہیں لیکن میں آپ کو آسان سی اردو کی ایک کتاب بتاتا ہوں ، آپ ، تمام لوگ پڑھ لیں گے کتاب مستند ہے اس کا نام ہے نشر الطیب ، کیا نام ہے ! نشر الطیب ، اس کے مصنف ہیں علماءِ دیوبند میں سے بہت بڑے عالم مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی ، اس کا پہلا باب اس کا عنوان ہے نورِ محمدی کے بیان میں اور اس پہلے باب میں انہوں نے بہت سی احادیث کو جمع کر دیا ہے اور وہ باب پڑھنے کے لائق ہے ، اور میں نے بطورِ خاص اس کتاب کا Reference اور حوالہ اس لیے بھی دیا تاکہ اگر اس کو پڑھ لیا جائے تو لوگ جو مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کے معتقد ہیں اُن کو یہ بات کم سے کم ضرور سمجھ آجائے گی کہ ہم نے تو یوں ہی جھگڑا ڈال رکھا ہے یہ سمجھ آجائے گی کہ یہ نور بشر کا جھگڑا ہم نے بلا وجہ ڈال رکھا ہے ۔ آپ سمجھ گئے نا ؟ تو جب دونوں گھروں کے بزرگ ایک ہی بات لکھ رہے ہیں تو پھر جھگڑا کاہے کا ۔ یہ بات میں نے اس لئے بطورِ خاص حوالہ سے پیش کی ہے کہ یہ بات ذہن میں آجائے کہ جب دونوں گھروں کے بزرگ ایک ہی بات لکھ رہے ہیں اور وہی احادیث وہ بیان کر رہے ہیں وہی

وہ بیان کر رہے ہیں اور دونوں کا استدلال بھی ایک ہے ، مبداء استدلال بھی ایک ہے نتیجہ بھی ایک ہے ، پورا باب آپ پڑھ لیں تو پھر جھگڑا کیسا ۔ ؟ چنانچہ جھگڑا سب نادانی کا ہے ، ناسمجھی کا ہے اور اگر آپ ناراض نہ ہوں اور مجھے اجازت دیں بے تکلفی کی بات کہنے کی تو یہ دکانداری کا جھگڑا ہے ۔

دین میں کوئی تضاد نہیں ہے دین کی بات ایک ہی ہے اور اختلاف جہاں ہوتا ہے دیانت داری کے ساتھ علمی اختلاف تعبیر و تشریح کا ہوتا ہے لیکن جھگڑا نہیں بنتا ، جب دین میں جھگڑا بن جائے تو سمجھ لیں کہ دکانداری داخل ہو گئی ہے ۔ جب دین میں جھگڑے شروع ہو جائیں سمجھ لیں کہ مفاد کا مسئلہ آگیا ہے ، پیٹ کا مسئلہ آگیا ہے ، دکانداریوں کو چمکانے کا مسئلہ آگیا ہے ۔ اگر پیٹ کا دھندا اور دکانداری کا مسئلہ درمیان میں نہ آئے تو بات دین کی ایک ہی رہتی ہے اور تعبیر و تشریح کا اختلاف علمی سطح پر ہوتا رہتا ہے ۔ وہ صحابہ کرامؓ میں بھی تھا لیکن جھگڑتے نہیں تھے وہ علمی مسئلے پر جھگڑتے نہیں تھے ۔ وہ تابعین اور تبع تابعین میں بھی تھا ۔ وہ آئمہ میں بھی تھا اکابر میں بھی تھا لیکن دینی مسئلے پر جھگڑتے نہیں تھے دست و گریباں نہیں ہوتے تھے ایک دوسرے کے قتل کے درپے نہیں ہوتے تھے ۔ جب انسان ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہو جائے اور اتنے جھگڑے ہو جائیں کہ نسلیں جدا ہو جائیں اور ایک دوسرے کو مسلمان نہ سمجھنے لگیں اور امت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو سمجھ لیں کہ یہ مسئلہ دین کا نہیں رہا یہ سب دنیا داری اور دکانداری کا مسئلہ ہے ۔

تو ان احادیث میں ایک حدیث یہ بھی درج ہے اور تھانوی صاحب نے اس حدیث کو بھی درج کیا [1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت ہے ، اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ۔ کہ میں تخلیق آدمؑ سے بھی چودہ ہزار سال پہلے ربّ العزت کی بارگاہ میں نور تھا ۔ اب اس پر مولانا تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ چودہ ہزار سال کی بات پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ خیال آ جائے ، یہ بات سمجھنے والی ہے ! کہ فقط چودہ ہزار سال ہی پہلے

[1] نشر الطیب فصل خلقت نور محمدؐ روایت نمبر ۵ صہ ۹ ، طبع تاج کمپنی ، لاہور ۔

تھا اس سے اور پہلے نہ تھا۔ وہ کہتے ہیں ممکن ہے کہ چودہ ہزار سال کی بات چل رہی ہو گفتگو میں مجلس میں سو حضورؐ نے اُسی مناسبت سے چودہ ہزار سال کی بات کر دی۔ اگر کسی روایت میں اس سے بھی زیادہ مدت کی بات آ گئے وہ بھی حق ہو گی۔ اس لئے کہ اللہ کے ہاں چودہ ہزار سال سے مراد بھی پتہ نہیں کتنی مدت ہے اس لئے کہ اس وقت تو سورج کا وجود بھی نہ تھا اور دن بھی نہ تھا، جب دن نہ تھے تو ماہ و سال بھی نہ تھے، تو جب نہ دن تھے نہ سال تھے تو چودہ ہزار سال کا تعین اس اعتبار سے تو نہ ہوا نا اب وہ چودہ ہزار سال اور دن جو اللہ کے ہاں تھا، اللہ بہتر جانتا ہے کہ اُس کا ایک دن کتنا طویل ہوگا۔ اس کا ایک دن چوبیس گھنٹے والا دن تو نہ تھا۔ یہ تو سورج کے طلوع اور غروب سے متعلق تھا۔ وہ جو اللہ کے ہاں دن تھا اللہ بہتر جانے کہ ایک دن کتنی مدت کا تھا۔ اور پھر ایک سال کتنی مدت تھا اور پھر چودہ ہزار سال کتنی مدت کے تھے؟ ہاں اگر سمجھنا ہو تو کچھ اشارہ ملتا ہے قیامت کے دن کی مدت سے جب سورج کے طلوع اور غروب کا نظام نہ ہوگا تو وہ دن اللہ پاک نے فرمایا کہ پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا۔ تو یہ ایک دن کی مدت ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے ہاں ایک دن بھی پچاس ہزار سال کا ہے اور دوستو اس سے بھی طویل مدت کے دن ہو سکتے ہیں، اور ایک دن جب پچاس ہزار سال پر محیط ہو کم سے کم یہی لے لیں تو پھر چودہ ہزار سال کا عالم کیا ہوگا۔ مقصد اور مدعا یہ ہے کہ مدت کا احصار اور شمار کیا ہی نہیں جاتا، اور آپ اِسی مادی دنیا کی بات لے لیں یہ تو نظامِ شمسی کے اندر چوبیس گھنٹے کا دن ہے اور یہ دن اور رات کی تقسیم بڑے بڑے سیارے ہیں اُن کے ہاں جائیں تو خدا جانے کتنے مدتوں پر مشتمل ایک دن بنتا ہے، اسی مادی دُنیا کے مختلف سیاروں کے نظام مختلف ہیں، ایک سیارے کا نظام دوسرے سے نہیں ملتا دوسرے کا تیسرے سے نہیں ملتا، یہ تو زمین کے اوپر نظام ہے اُس سورج کا جو ہم یہاں بیٹھ کر دیکھتے ہیں اور باقی سیارگانِ فلکی کا عالم کیا ہوگا۔

سو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کی اولیت احادیث میں آئی یہ ایک قول ہو گیا میں آپ کو نکتہ یہ سمجھانا چاہتا ہوں مختلف تمثیلات سے کہ مختلف قول ایک ہی مسئلے پر آتے ہیں اور اُن میں تطبیق کیسے ہوتی ہے، اب دوسرا قول آئیے! عبادہ بن صامت

رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں ترمذی میں حدیث ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! دوسرا ارشاد - [1] اِنَّ اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمْ - "کہ سب سے پہلی چیز جسے اللہ نے پیدا کیا وہ قلم ہے، اب وہی صورت حال ہو گئی نا پیدا! ادھر فرمایا کہ تمام اشیاء سے پہلے اللہ نے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، دوسرے مقام پر فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا، اب بعض احباب نا سمجھی میں اس حدیث کو مان لیتے ہیں، اُس کو چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے تو سب سے پہلے قلم کی تخلیق کا ذکر کیا، سو سب سے پہلے تخلیق قلم ہوئی - اس میں کوئی شک نہیں، بات وہی ہے کہ اولیت کئی چیزوں کو حاصل ہے مگر اپنے اپنے اعتبار سے - اس حدیث میں فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا مگر اس پوری حدیث کو پڑھ لیا جائے تو کوئی الجھن باقی نہیں رہتی - "[2] اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ " بے شک سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا - آگے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! [3] فَقَالَ لَهُ اُكْتُبْ " اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرما کر حکم دیا کہ اے قلم لکھ تو جب یہ حکم دیا کہ لکھ تو [4] " قَالَ مَا اَكْتُبُ" قلم نے پوچھا باری تعالیٰ کیا لکھوں، ابھی لکھنے کے لئے کیا کچھ ہونا چاہیئے نا، اور جب سے ہوا ہی کچھ نہ تو لکھا کیا جائے، پوچھا [5] مَا اَكْتُبُ " باری تعالیٰ کیا لکھوں؟ اللہ پاک نے فرمایا! [6] اُكْتُبْ بِالْقَدْرِ - " یہ اللہ کے علم کے اندازے ہیں اور اللہ کے علم کے مرتبے ہیں - وہ لکھ اور حدیث میں آتا ہے کہ "فَكَتَبَ" اسی حدیث میں [7] " فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدْ " پس اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کچھ قلم سے پہلے ہو چکا تھا اس نے وہ بھی لکھ دیا اور جو قیامت تک ہونے والا تھا وہ بھی لکھ دیا [8] فَكَتَبَ مَا كَانَ " - جو قلم سے پہلے ہو چکا تھا وہ لکھ دیا۔

---

[1] ترمذی شریف

[2] سورۃ فاتحہ تفسیر تخفیف ص۳۵ بحوالہ الترمذی

[3] — ایضاً —

[4] — ایضاً —

[5] سورۃ فاتحہ تفسیر تخفیف ص۳۵ بحوالہ الترمذی

[6] — ایضاً —

[7] — ایضاً —

[8] — ایضاً —

"وَمَاهُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ" ـ اور جو ابد تک ہونے والا تھا وہ بھی لکھ دیا۔ تو اسی حدیث نے بات کھول دی کہ قلم سے پہلے بھی کچھ ہو چکا تھا وہ یہی ہے کہ [1] "إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ" کہ ہر شئے سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا گیا، تو اس نے پھر تائید کر دی، اب دونوں روایتوں میں تطبیق کیا ہوگی consistency کس طرح پیدا کی جائے گی؟ Reconcile کس طرح کیا جائے گا۔ تو اس کی Reconciliation کی بڑی آسان بات ہے۔ بس یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کائنات میں حقیقی اولیت نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے، اور قلم کی اضافی اوّلیت ہے کہ سب سے پہلے حقیقتاً جو چیز منصۂ خلق پہ ظاہر ہوئی وہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اور پھر نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پھر سلسلۂ خلق کا جب آغاز ہوا تو اس کے بعد سب سے پہلے قلم پیدا ہوئی۔ اور یہ حدیث جو ہے اس کی تائید پھر بھی اُس پہلی حدیث سے بھی مل جاتی ہے۔ جو میں نے پہلے بیان کی اسی حدیث کا جو مفصل متن ہے۔ اسی میں یہ درج ہے کہ اللہ پاک نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا تو تصریح موجود ہے کہ اُس وقت سوائے اس چیز کے [2] "وَلَمْ فِي ذَالِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ" ـ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔ نہ جنت تھی نہ دوزخ تھی نہ فرشتہ تھا نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ شمس تھا نہ قمر تھا نہ جن و انس کچھ بھی نہ تھے جب نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق ہوئی اور اسی حدیث کے مضمون میں آگے ہے جب نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [3] اَوَّلًا تخلیق ہو چکا تو اب اُس نور کے واسطے سے اللہ پاک نے سلسلۂ خلق کی تخلیق کا آغاز فرمایا۔ تو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلی چیز جس کو اللہ نے بالواسطۂ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق فرمایا وہ قلم تھی یہ حدیث میں درج ہے۔ تو دونوں حدیثوں میں مطابقت ہو گئی نا سو معلوم یہ ہوا کہ اگر حقیقی اولیت کی نسبت سے دیکھیں تو اَوَّلُ الْخَلْقِ نورِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور اگر اضافی اوّلیت کے اعتبار سے دیکھیں تو اَوَّلُ الْخَلْقِ

---

[1] ترمذی

[2] سورۃ فاتحہ تفسیر تخیت صـ۵۲ مصنف عبدالرزاق بحوالہ قسطلانیؒ جلد اول صـ۹

[3] 〃 〃 صـ۵۶ بحوالہ حدیث مسند احمد بن حنبلؒ

علم ہے تو دونوں حدیثیں ایک معنی پر جمع ہو گئیں ۔

اسی طرح آگے ہم دیکھتے ہیں اس مسئلے کا بیان مراتبِ ظہورِ نبوت کے حوالے سے یہ تھا اولیتِ خلق کا حوالہ اب مراتبِ ظہورِ نبوت کہ نبوتیں کس طرح ظاہر ہوئیں اور ظہورِ نبوت کے مرتبے کیا ہیں ! تو ان میں بھی اسی طرح یعنی آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ پاک کا نظامِ قدرت ہی یہی ہے کہ تخلیق میں بھی اولیت کے مرتبے ہیں ۔ طلوع میں بھی اولیت کے مرتبے ہیں اسی طرح ظہور میں بھی اولیت کے مرتبے ہیں ۔ اب نبوت کے ظہور میں بھی مراتب ہیں ۔

سب سے پہلے نبی کون ہیں ! بولیے ۔ ! حضرت آدم علیہ السلام حدیث پاک مسند امام احمد بن حنبل ؒ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا ، قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَنْبِیَاءِ کَانَ اَوَّلُ ۔ کہ انبیاء علیہ السلام میں سب سے پہلا نبی کون ہے ۔ فَقَالَ آدَمُ ؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ! کہ سب سے پہلے آدم ؑ تھے ، فرماتے ہیں میں نے پوچھا ؎۱ " وَنَبِیٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کیا وہ نبی تھے ؟ حضور ؐ نے فرمایا ! " نَعَمْ نَبِیٌّ مُکَلَّمٌ " ۔ ہاں ! بالکل وہ نبی تھے اللہ نے اُن سے کلام کیا ، یہ بات بھی اس لئے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ بعض اہل علم نے آج کے دور میں یہ تصور دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ضرور تھے مگر نبی نہ تھے ، معاذ اللہ ۔ سو یہ تصور غلط ثابت ہو گیا ، حدیث پاک نے تصریح کر دی کہ وہ تخلیق میں سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی تھی تو اس حدیث سے حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا نبی ہونا معلوم ہو گیا ۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ! ؎۲ " اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ وَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاہُ

؎۱ : سورۃ فاتحہ تعلیم تفہیمت ص۵۶ بحوالہ مسند احمد بن حنبل ؒ ۔ (الحدیث)

؎۲ " " " ترمذی مدارج النبوۃ جلد اول ص

اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ"۔

فرمایا ! میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب اور ساری اولاد کا سردار ہوں قیامت کے دِن آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار اور سر تاج ہونگا لیکن پھر بھی فخر نہیں کرتا اور فرمایا قیامت کے دِن اللہ کی حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا مگر پھر بھی فخر نہیں کرتا اور قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے لے کر جتنے انبیاء آج تک ہوئے وہ سارے کے سارے مل کر میرے جھنڈے تلے ہوں گے ۔ اور میں پھر بھی فخر نہیں کرتا ۔ اب یہ جو فرمایا آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک جتنے نبی ہوئے ، سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے ۔ اِس سے کیا پتہ چلا کہ سلسلۂ نبوت کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہے ، اِن دو حدیثوں سے معلوم ہوگیا کہ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے ۔ یہ ایک قول ہوا ، اب دوسری طرف آیئے ! ترمذی نے حدیث حسن ، حضرت ابو ہریرہؓ حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا " [1] مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ " یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے لیے نبوت کب سے ثابت ہوئی ۔ ؟ آپ کو نبوت کب سے عطا ہوئی ؟ یہ سوال کیا صحابہ کرام نے ، اب صحابہ کرامؓ بھی تو پوچھتے تھے نا ۔ اور کبھی یہ کہ سب سے پہلے کون پیدا ہوا ؟ کبھی یہ کہ نبوت آپ کو کب سے ملی ؟ اور اُنہوں نے جب یہ سوال کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ! قَالَ وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ " کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بھی معرضِ تشکیل میں نہ آیا تھا ۔ جب اُن کا وجود بھی جسم اور روح کے مرحلے میں تھا ۔ ابھی وہ موجود ہی نہ ہوئے تھے میں اس وقت بھی نبی تھا ۔ اب اس حدیث کی رُو سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے نبی ہونا ثابت ہوگیا ۔ اب دو مختلف آرا مختلف روایات آگئیں نا ۔ ایک میں صراحت سے آگیا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ تھے ۔ ادھر صراحت سے آگیا کہ ابھی حضرت آدم پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ

---

[1] : سورۃ فاتحہ تعمیر شخصیت ص۲۵ بحوالہ ترمذی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی تھے۔ اب یہ بات سمجھ آگئی نا! یہاں بعض اوقات ذہنوں میں یہ خیال ابھرتا ہے اور اس حدیث کا یہ مفہوم بعض ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ اس سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے حقیقتاً نبی ہونا نہیں، معاذ اللہ بلکہ فقط اللہ کے علم میں آپکی نبوت کا ہونا ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ ابھی آدم علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ میرا نبی ہونا اللہ کے علم میں تھا۔ تو یہ مفہوم اور یہ شرح اس لئے غلط ہے اور درست نہیں ہے کہ چونکہ اللہ کے علم میں تو تمام انبیاء کا نبی ہونا تھا تنہا حضور کی نبوت کا علم ہونا تو کوئی معنی نہیں رکھتا، علمِ الٰہی میں تو ہر ایک نبی کی نبوت تھی۔ اور آدم علیہ السلام سے پہلے ہی سے تھی خود حضرت آدم کی بھی تھی اور تمام انبیاء کی بھی تھی، تو اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتیاز کیا رہا! آپ بات کو سمجھ رہے ہیں نا، اور نمبر۲ سائل نے تو یہ سوال ہی نہیں کیا کہ آپ اللہ کے علم میں کب سے نبی ہیں، یہ تو سوال ہی نہیں کیا۔ اور نہ ہی یہ سوال کرنے والا ہے کہ اللہ کے علم میں تو ہر شئے شروع ہی سے ہے یہ کون سی بات ہے پوچھنے والی۔ کہ اللہ کے علم میں آپ کا نبی ہونا کب سے ہے، بھائی جب سے اللہ ہے تب سے علم میں ہے یہ تو سوال ہی نہیں ہوسکتا تھا، پوچھنے والا صحابیؓ یہ پوچھ رہا ہے۔ ¹ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے لئے نبوت کب سے ثابت ہوگئی! کب سے آپ کو نبوت مل گئی! کب سے آپ کے لئے نبوت واجب و ثابت ہوگئی۔؟

اس کے جواب میں حضورؐ فرما رہے ہیں کہ اس وقت سے جب حضرت آدمؑ کی تخلیق بھی عمل میں نہ آئی تھی۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ علم الٰہی کی بات یہاں نہیں ہو رہی بلکہ واقعتاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا ہونے کی بات ہو رہی ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ کئے گئے تھے کہ اللہ پاک نے اس وقت سے حضور پاک کو نبی بنا دیا تھا۔ اس وقت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت عطا کر دی تھی۔

اب میں عرض کروں گا کہ آپ کے ذہن میں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ اگر حضور کو اس وقت سے نبی بنا دیا گیا تھا تو چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا کرنے کا کیا معنیٰ؟

---

¹ سورۃ فاتحہ تفسیر تخصیت صـ۵۸ العرف الشذی علیٰ جامع ترمذی۔

دوستو یہ تصور بھی غلط ہے کہ چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا کی گئی نہیں، نبوت تو اس وقت سے عطا کی گئی جب ابھی تخلیقِ بشریت بھی عمل میں نہ آئی تھی۔ جب سلسلۂ انسانیت بھی شروع نہ ہوا تھا۔ اور حضرت آدمؑ کی پیدائش بھی نہ ہوئی تھی۔ عطا تو نبوت اُس وقت سے کی گئی، تو چالیس سال میں کیا ہوا؟

چالیس سال میں فقط نبوت کے اعلان کا اِذن ملا۔ اعلانِ نبوت کا اذن ملا، تو بعثت نبوت کے ملنے کو نہیں کہتے بلکہ نبوت کے اعلان کو کہتے ہیں اور نبوت کے اظہار کو کہتے ہیں، اِذن ملتا ہے کہ میرے نبیؐ! اب اس نبوت کا اعلان کر دے، اس نبوت کا اظہار کر دے اور اظہار اس وقت تک نہیں ہوا جب تک سلسلۂ وحی قائم نہ ہوا۔ تو نبوت کا ملنا اور شئی ہے اور بعثت اور شئی ہے۔

اب اس کی تائید مزید حدیث پاک سے ملتی ہے پہلے تو اس حدیث کی شرح سُن لیں۔ علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری[1] ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد۔ "وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" کہ حضرت آدم ابھی روح اور جسم میں تھے جب میں نبی تھا۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں جو میں عرض کر چکا ہوں کہ علم الٰہی میں تھا بلکہ معنیٰ کیا تھا؟ وہ لکھتے ہیں " اَیْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَجَرَتْ عَلَیْہِ اَحْکَامُ نُبُوَّۃٍ مِنْ ذَالِکَ الْحِیْنِ بِخِلَافِ الْاَنْبِیَاءِ السَّابِقِیْنَ فَاِنَّ الْاَحْکَامَ جَرَتْ مِنْ بَعْدَ الْبِعْثَۃِ"، وہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعتاً اس وقت بھی نبی تھے اور فقط نبی ہی نہ تھے بلکہ اُس وقت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نبوت کے احکام بھی جاری تھے، یہ مسئلہ بہت اہم ہے ضمناً آگیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ نبوت کا اندازہ ہو گیا، ارے ہم اندازہ بھی کیا کرنے والے ہیں، ہم اپنے فہم و ادراک کو کروڑ ہا درجے بڑھالیں تب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی عظمتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے، یہی تو اُلجھن ہے چونکہ اندازہ نہیں کر سکتے اس لئے جھگڑے ہیں۔

چار، پانچ نابینے تھے مولانا رومؒ نے بیان کیا، انہوں نے ہاتھی کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُن کو کسی

[1] سورۂ فاتحہ انتہائی تفصیل۔ ص۸۵ العرف الشذی علیٰ جامع ترمذی۔

لے جا کر ہاتھی کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ یہ ہاتھی ہے تم باری باری اس کو ٹٹول ٹٹول کر ہاتھوں سے چھو کر بتاؤ کہ ہاتھی کیسے ہوتا ہے ؟ ایک نابینے نے جو ہاتھ لگایا تو اُس کے سونڈ پر جا کے ہاتھ لگا۔ اُس نے اچھی طرح ہاتھ کو گھمایا اچھی طرح پھیرا ، اور الگ کھڑا ہو کے سوچنے لگا کہ ہاتھی کی شکل کیا ہوگی؟ دوسرے کا ہاتھ اس کے پیٹ پر لگا اُس نے خوب گھمایا ہاتھ کو آگے پیچھے اور ہٹ کے سوچنے لگا ، تیسرے کا ہاتھ ہاتھی کے کانوں پر لگا ، اچھی طرح ٹٹول کر وہ اس کو غور سے سوچنے لگا الغرض جس کے ہاتھ جس جگہ پڑے اُس نے ٹٹول کر وہی نقشہ ذہن میں جما لیا۔ جب اُن سے پوچھا گیا ، ہاتھی کیسا ہوتا ہے ؟ تو جس کے ہاتھ کان پر پڑے تھے ، وہ جو ہاتھ والا پنکھا نہیں ہوتا ، تو اُس نے کہا کہ ہاتھ والے پنکھے کی طرح ہوتا ہے ، وہ چونکہ کان ہی تک ہاتھ گئے تھے۔ جس کا ہاتھ اُس کے پیٹ پر پڑا تھا اس نے کہا دیوار کی طرح ہوتا ہے جس نے سونڈ یا ٹانگ کو چھوا تھا اس نے کہا ستون کی طرح ہوتا ہے ، الغرض جس کا ہاتھ جہاں پڑا اس نے وہی تصور بنا لیا اور پانچوں کے پانچوں آپس میں جھگڑ رہے ہیں ، وہ کہہ رہا ہے۔ دیوار کی طرح ہے اور وہ کہتا ہے تم جھوٹ بولتے ہو ستون کی طرح ہے اور وہ کہتا ہے تم جھوٹ بولتے ہو یہ تو پنکھوں کی طرح ہے ، وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور یہ ساری بات سمجھا کر مولانا رومؒ کہتے ہیں۔ ارے نابینو! جس شئی کی رسائی ہاتھ کے چھونے سے نہ ہو ، دیکھنے سے ہو اور دیکھنا نصیب نہ ہو تو تم اندازہ کیا کر سکتے ہو ، یہ سارے اندازے نابینوں کی طرح ٹٹول کا نتیجہ ہیں۔ ارے وہ عظمت نبوت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کا اندازہ تمہیں نصیب ہی نہ ہو ، تم اپنے ناقص فہم کے مطابق ٹٹولتے پھرتے ہو ، جس کی سمجھ میں جو آتا ہے وہ وہی تصور قائم کر لیتا ہے۔ اور جس کی عقل میں جتنی بات آتی ہے ، وہ وہی تصور قائم کر لیتا ہے۔

سو جس کی نظر فقط بشریت پر پڑتی ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام و مرتبے کو اُسی پیمانے پر ناپنے لگتا ہے۔ جس کی نظر چار قدم اور آگے جاتی ہے نورانیت کو دیکھتا ہے۔

وہ فقط نور نور کہتا رہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بشریت بھی ہے، نورانیت بھی ہے لیکن فقط یہی دو چیزیں نہیں اور بھی بہت کچھ ہے، مقام و مرتبہ تو اتنا بلند ہے کہ وہاں نہ بشریت جا سکے نہ نورانیت تو جو جتنا دیکھتا ہے بس وہ اُس پر اَڑا ہے اور اُسی پر جھگڑا کر رہا ہے تو مقام و مرتبہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک نہ ہمیں حواس سے ہو سکتا ہے نہ عقل سے اور نہ لطائف و وجدان سے ہو سکتا ہے۔ اس کی معرفت نہیں جھلک جتنی بھی ہو اُسی کو نصیب ہوتی ہے جس کا پردہ اٹھ جائے، اور جس سے جتنا پردہ اٹھایا جاتا ہے اُس کو اتنی خبر دی جاتی ہے اور جس کے جتنے پردے اٹھتے ہیں وہ اتنا باخبر ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ جو جتنا باخبر ہو جاتا ہے اس مقام کے بیان میں اتنا خاموش ہو جاتا ہے جو جتنا باخبر ہوتا جاتا ہے وہ اتنا خاموش ہو جاتا ہے اور جس کو جتنی زیادہ خبر ملتی ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ؎

؎ اگر خاموش رہوں میں تو تو ہی ہے سب کچھ — جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

خاموشی کو احوط سمجھتا ہے بولنے کو بے ادبی سمجھتا ہے وہ کہتا ہے میں اندازہ ہی کیا کر سکوں حضورؐ کی شان کا۔

تو اس لیے میں عرض کر رہا تھا کہ یہ سارے جھگڑے اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ ہم میں سے جس کی نظر جہاں تک پڑتی ہے وہ اُسی کو حقیقت بنا لیتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ درحقیقت یہ میری نظر اور میرے ادراک کی حد تھی حقیقت نہ تھی، حقیقت تو اس سے آگے ہے یعنی اگر آپ کھلے میدان میں کھڑے ہوں اور نگاہ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو آسمان زمین سے ملتا ہوا نظر آتا ہے، ملتا ہوا نظر آتا ہے نا! تو کیا وہ حد ہوتی ہے آسمان کی اور زمین کی بولیے! حد ہوتی ہے؟ لیکن نادان یہ سمجھتا ہے کہ حد ہے، جب کہ یہ حد نہ زمین کی ہے نہ آسمان کی یہ حد اُس کی اپنی نظر کی ہے اور جس کو وہاں تک جانا نصیب ہو اُسے حد اور آگے نظر آئے مگر نادان! وہ بھی حد نہیں وہ بھی تیرے دیکھنے کی حد ہے۔ حد تو اتنی آگے ہے کہ ساری زمین گھوم لے حد نظر نہیں آئے گی۔ بالکل جس کی نگاہ جہاں تک اٹھتی ہے وہ اُسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کی حد سمجھتا ہے اور اُسے یہ خبر نہیں کہ یہ تیرے فہم کی حد ہے۔ تیری سمجھ کی حد ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام

کی تو حد ہی کوئی نہیں ۔ اب تو خیال آگیا ہے کہ تو اُسے حد جو کہہ رہا ہے اور جو عارف وہاں تک چلا جائے وہ اس سے آگے دیکھتا ہے اور جو اُس سے آگے چلا جائے وہ اُس سے آگے دیکھتا ہے اور جو صحیح معرفت کا ذوق مل جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھیے ۔ الحفائق الکبریٰ میں روایت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھیے آقا ۔ ! آپ کے مقام کی حد جاننا چاہیں تو کیا ہے ؟ آپ فرماتے ہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے تو آخری حد پر تو وہ کھڑے ہیں نا ۔ حضرت ابوبکر ہوں حضرت عمر حضرت عثمان ہوں ، سیدنا علی شیر خدا ہوں بھی معرفت و ادراک کی حدوں پر تو یہ لوگ کھڑے ہیں نا ، ان سے آگے کسی حد پر کھڑے ہونے کا دعویٰ تو کوئی نہیں کر سکتا تو آخری حد جو انسانی فہم کی نہج کے بعد انسانی فہم اور سوجھ بوجھ کی آخری حد ہے اس پر تو یہ کھڑے ہیں نا ۔ اب ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ۔ یَا اَبَا بَکرٍ لَم یَعرِفنِی حَقِیقَتًا سِوٰی رَبِّی ۔ پیارے ابوبکر ! میری حقیقت کو جاننا چاہتے ہو تو وہ سوائے میرے رب کے کوئی جان ہی نہیں سکتا یہ تو حقیقت کی بات ہے ۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حدیث پاک نے اس امر کی صراحت کر دی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تفہیمات الٰہیہ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہیں اور وہ چونکہ صاحب حال ہو گزرے ہیں اور جو بات حال والی ہو وہ حال والوں کو کچھ نہ کچھ ضرور سمجھ آتی ہے ۔ قال والے تو یوں ہی ہاتھ مارتے رہتے ہیں ۔ قال والے ، علماء حضرات سے معذرت کے ساتھ ۔ اس لئے کہ وہ مجھ سے پھر بھی بہتر ہیں کہ وہ تو قال والے بھی ہیں اور میں تو قال والا بھی نہیں ہوں اس لئے یہ بات میں بلا تامل کہہ رہا ہوں کہ قال والے تو یوں ہی ہاتھ مارتے رہتے ہیں دُھند میں ہاتھ مارتے ہیں اور اُن کے ہاتھ سوائے جھگڑے کے کچھ نہیں آتا ، اور حال والے کچھ نہ کچھ ضرور پا جاتے ہیں اور حقیقت کا سراغ جس کو جتنا ملتا جاتا ہے ۔ وہ اُتنا ٹھنڈا ہوتا چلا جاتا ہے ۔ جھگڑوں سے اُتنا گریز کرتا چلا جاتا ہے اُس کی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ جھگڑا تو دُور کی بات ہے ، یہ بولنے کی جگہ نہیں ۔ وہ پیر مہر علی شاہ صاحب نے کیا خوب کہا

بس کر مہر علی ایتھے جا نہیں بولن دی

یعنی سبق کو سمجھ آجاتی ہے وہ کہتے ہیں بس کہ یہ بولنے کی جگہ ہی نہیں ۔ شاہ ولی اللہ محدث

دھلوی فرماتے ہیں کہ میں نے بھی روحانی اعتبار سے یہ سوال کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ کی روحِ طیبہ سے سوال کیا کہ یہ جو آپ نے ارشاد فرمایا ہے، یہ کون فرما رہا ہے ؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور یہ وہ بزرگ ہیں کہ یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ تمام مکاتبِ فکر ان کو یکساں مانتے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ آدمی اِس امت میں کتنا خوش نصیب ہے جس کو ہر کوئی مانے یہ بھی خوش نصیبی کی حد ہے کہ جس کو سارے نہ سہی اکثریت مانے خوش نصیبی کی حد ہے اب تو حالت یہ ہو چکی کہ کوئی کسی کو ماننے پر تیار ہی نہیں ہر کوئی اپنے آپ کو مانتا ہے کسی اور کو نہیں مانتا۔ اپنے آپ کو ہر کوئی مانتا ہے۔ اور کوئی اور مانا جانے کے لائق ہی نہیں رہا۔ لیکن بہرحال یہ اپنا اپنا حال ہے، اس امت کا ایک مزاج ہے جب کوئی دنیا سے چلا جاتا ہے، تو اُسے ماننے لگتے ہیں اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے پھر زیادہ ماننے لگتے ہیں، اور جب تک زندہ ہوتا ہے اُس غریب کا جینا خود قصور وار بنا رہتا ہے کہ جب تک زندہ ہے نہیں مانیں گے مرے گا تو ماننا شروع کریں گے پھر عرس بھی ہوتے ہیں پھر دِن بھی منائے جاتے ہیں، اور پھر درجے بھی بلند ہوتے رہتے ہیں، بقول احمد ندیم قاسمی ؎

؎ عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمتہ اُن خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کو اکثر لوگ مانتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے روحانی سوال کیا مراقبے میں کہ آقا ! اِس ارشاد کا مفہوم کیا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی پہلے نبی تھا۔ تو اب قال اور حال کا فرق آپ کو سمجھ آجائے گا کہ قال والے فقط کتابیں پڑھ پڑھ کے نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہیں، قال والے فقط کتابوں کے ذریعے نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ اور کتابوں میں چونکہ سارے دلائل ہوتے ہیں اور دلائل ہر طرف وزنی ہوتے ہیں انسان کبھی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کبھی نہیں پہنچتا اور قال والے کتابوں کو پڑھتے ہیں لیکن فیصلہ ان پر نہیں کرتے فیصلہ [illegible] کر کرتے ہیں۔ وہ اہلِ مشاہدہ ہوتے ہیں، فیصلہ دیکھ کر کرتے ہیں۔

تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب قال ہی نہیں صاحبِ حال بھی ہیں، اس لئے انہوں نے کہا کہ کتابوں میں تو بہت کچھ پڑھ لیا، اب خود صاحب ارشاد سے پوچھ لیں کہ آقا آپ ہی سمجھا دیں اس ارشاد کا معنیٰ کیا ہے۔! فرماتے ہیں میری یہ درخواست کرنے کی دیر تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحِ طیبہ مجھ پہ منکشف ہو گئی اور نہ صرف منکشف ہوئی بلکہ آپ نے منکشف ہو کر اپنی روحِ طیبہ کی وہ حالت مجھے دکھائی جس حالت میں تخلیقِ آدم سے پہلے تھے۔ روحِ طیبہ کی وہ حالت منکشف کر دی جس حالت کا ظہور تخلیقِ آدم سے پہلے تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی روحانی آنکھوں سے اُس حالت کو دیکھ لیا اور وہ وجودِ مثالی میں منکشف ہوئی۔ وجودِ مثالی یہ صوفیاء کے ہاں عرفاء کے ہاں ایک عالمِ مثال ہے اُنکی بات ہو رہی ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اس حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور، ظہورِ تام تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور اس حال میں بھی مکمل تھا۔ ظہور میں اُس وقت بھی کوئی کمی نہ تھی۔

تو قربان جائیں آقا کی عظمت پر کہ اللہ نے تخلیقِ آدمؑ سے پہلے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنایا اور ظاہر کیا تو اُس وقت بھی حضور علیہ السلام مکمل تھے۔ نقص اور کمی نہ اُسوقت تھی نہ بعد میں کوئی رہی۔ تو پہلے دن سے ہی بنایا تو کامل بنایا۔ تام بنایا مکمل بنایا اکمل بنایا۔ اور فرمایا کہ وہ ظہورِ تام جو تھا اُس کا فیض بھی جاری تھا اور انبیاءؑ وہ فیض لیتے تھے۔ جسمانی حالت میں آنے سے پہلے انبیاءؑ کی روحیں حضور کی اس روحِ پاک سے فیض لیتی تھیں اور اُسی حالت کو نبوت سے تعبیر کیا گیا وہ نبوت عطا کی۔

چنانچہ امام طیبی شیخ عبدالحق محدث دہلوی امام قسطلانی، قاضی عیاض بے شمار آئمہ نے اسی مفہوم اور اِسی تصور کی تصریحات کی ہیں اپنی کتابوں میں اور یہ بات واضح کر دی، ایک حدیث میں تو حضرت ابن ابی الجدعاءؓ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہاں تک مروی ہے انہوں نے پوچھا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مَتیٰ كُنْتَ نَبِيًّا۔ انہوں نے یہ سوال کیا ایک مرتبہ احمد بن حنبل میں مستدرک حاکم میں امام بخاری کی تاریخ میں

: تفہیمات الٰہیہ ص

[۲] : سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت ص ۵۹ بحوالہ احمد بن حاکم، بخاری، ابو نعیم، طبرانی، ابن سعد رحمہم اللہ علیہم :

ابونعیم میں طبرانی میں طبقات ابن سعد میں سب کتب میں حدیث آئی ہے ۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کب سے نبی ہیں ؟ سوال یہ کیا ، نہ وجوب اور ثبوت کی بات نہ اور کچھ • مَتیٰ کُنْتَ نَبِیاً ” آپ کب سے نبی ہیں ، حضورؐ نے جواباً فرمایا [1]

• کُنْتُ نَبِیاً وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدْ ۔ ” میں اس وقت بھی نبی تھا بالکل اس کی وضاحت فرمادی جب حضرت آدمؑ کی تخلیق عمل میں نہ آئی تھی ۔

سوال تمام احادیث سے یہ مفہوم نہیں کہ اللہ کے علم میں میرا نبی ہونا تھا ، یہ مفہوم غلط ہے ، بے بنیاد ہے چونکہ تمام احادیث براہِ راست اِس تصور کی نفی کر رہی ہیں ۔ اور ایک مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا خاتم النبیین ہونا بھی بیان کیا ۔ بلکہ آپ نے ایک حدیث میں یہ بھی بیان فرمایا ” [2] کُنْتُ اَوَّلُ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَآخِرُھُم فِی الْبَعْث میں تخلیق میں سب سے پہلا نبی ہوں اور بعثت میں سب سے آخری نبی ہوں ایک اور حدیث میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک شخص نے سوال کیا ” [3] مَتیٰ اسْتُنْبِئْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو نبوت کے منصب پر کب بٹھایا گیا ۔ ؟ مسند نبوت پر کب بٹھایا گیا ؟ آپؐ نے فرمایا ، ” [4] وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ حِیْنَ اُخِذَ مِنِّی الْمِیْثَاق ۔ کہ آدم علیہ السلام ابھی جسم اور روح کے مرحلے میں تھے جب اللہ نے مجھ سے منصب نبوت پر بٹھاتے ہوئے عہد لیا ، حلف لیا ۔ جب کسی سربراہ کو اس کے عہدہ پر بٹھایا جاتا ہے تو عہدے پر بٹھانے والا یا بڑا حلف لیتا ہے یا نہیں ! لیتا ہے ۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی حلف لیا گیا ۔ حلف نبوت لیا گیا ، جس کو ہم عام زبان میں حلفِ وفاداری کہتے ہیں ، وہ اللہ بہتر جانتا ہے اور اللہ کا رسولؐ کہ اس کی شان کیا تھی ، فرماتے ہیں ، آدم علیہ السلام کی تخلیق نہ ہوئی تھی جب مجھے مسند نبوت پر بٹھایا جانے لگا تو اس وقت اللہ نے مجھ سے عہد لیا ، میثاق

[1] سورۃ فاتحہ اور تعبیر تخفیت بحوالہ احمد بن حنبل ، حاکم ، بخاری ، ابونعیم طبرانی ، ابن سعد رحمہ اللہ علیہم

[2] " " " " صفحہ ۵۹

[3] " " " صفحہ ۶۰ قسطلانی بروایت

[4] " " " صفحہ ۶ بحوالہ طبقات ابن سعد نے حضرت

لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میثاق نبوت الگ لیا گیا اور دیگر تمام انبیاء سے میثاق نبوت الگ لیا گیا ۔ قرآن مجید میں آتا ہے [1] " وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ "

فرمایا یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءؑ سے میثاق لیا، عہد لیا اور وہ عہد کیا لیا ...... ؟ اس عہد میں حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام شریک نہ تھے ۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے چونکہ حضورؐ سے تو عہد ان سے پہلے لیا جا چکا تھا۔ یہ انبیاءؑ سے عہد لیا اور عہد کیا لیا ؟ یہ عہد انبیاءؑ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابت حضورؐ کی نسبت عہد لیا ۔ کہا کہ اے انبیاءؑ سنو ! میں تمہیں کتاب عطا کروں گا حکمت دونگا ، نبوت دونگا ، رسالت دوں گا منصب پر ایک کو نبوت عطا کروں گا ، کتاب و حکمت عطا کروں گا تمہیں زمین پر بھیجوں گا اور پھر جب تم سب آ چکو گے تو تمہارے بعد اُس رسولؐ کو بھیجوں گا جس کی خاطر تمہیں بھیج رہا ہوں ثُمَّ جَآءَكُمْ ، بعدیت کا تقاضا کرتا ہے ۔ پھر تمہارے پاس میرا رسولؐ آئے گا اور وہ اگر تم سب کی تصدیق کر دے گا ، تم سب کے بعد میرا رسول آئے گا اور تمہاری سب کی تصدیق کر دے گا ۔ اب بتاؤ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ، تم اب عہد کرو کہ جب تم اپنے اپنے وقتوں میں آؤ گے تو پہلے اس نبیؐ کے آنے سے بھی پہلے تم اُس نبیؐ پر ایمان کا اعلان کرتے جاؤ گے اور اپنی اپنی امت کو بتاتے جاؤ گے آخر الزمان نبیؐ آنے والا ہے ۔ جس کی خاطر بزمِ کائنات سجائی گئی ہے ، ساری کائنات کا دولہا آنے والا ہے ۔ رونقِ بزمِ کائنات آنے والا ہے ، بلکہ کائناتِ نبوت کا شاہ آنے والا ہے ، بتاتے جاؤ گے ایمان لاتے جاؤ گے اور اس کی مدد کرتے جاؤ گے یعنی اُمت کو تلقین کرتے جاؤ گے کہ اگر تمہارے زمانے میں وہ نبی آ جائے تو تم بھی اس کو مان لینا ، وعدہ لیا انبیاءؑ سے اور سب انبیاء نے وعدہ کیا جب سب انبیاء وعدہ کر چکے تو اللہ نے فرمایا ، سنو ! تمہارے ساتھ اس عہد پر میں بھی گواہ ہوں ۔ انبیاءؑ سے عہد لیا اور خود گواہی ڈال دی ، اور فرمایا کہ جب تم سب آ چکو گے تو وہ تمہارے بعد آئے گا اور آ کر تصدیق کر دے گا ۔

---

[1] آلِ عمران : ۸۱

تو جب حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم آ گئے اور اپنے سے سارے پہلوؤں کی تصدیق کر دی تو جن کی تصدیق ہو گئی وہ تو حق کے نبی مانے گئے اور اگر کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آجانے کے بعد اب آکر دعویٰ کرتا پھرے تو اس کو یہی کہا جائے گا کہ وہ تصدیق کرنے والے تو آچکے اور جن کی تصدیق ہونا تھی ہو چکی اب بعد میں ہزار آدمی اٹھ کے دعویٰ کریں۔ اب وہ نبوت کے دائرے میں نہیں آسکتے تو انبیاءؑ کے زمرے میں چونکہ قاعدہ قرآن نے بیان کر دیا "ثُمَّ جَاءَكُمْ" جب تم سب آچکو گے تو میرا آخری نبیؐ تمہارے بعد آئے گا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اس آیت کریمہ میں جو انبیاءؑ علیہم السلام سے عہد اور حلف لیا گیا۔ اس کا ایک پس منظر ہے، پس منظر کیا ہے، امام قسطلانیؒ بیان کرتے ہیں المواہب اللدنیہ جلد اول میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا فرمایا، تو حکم دیا بعد میں کسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہو چکے تو کسی وقت بعد میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا۔ یہ حدیث ہے اور المواہب اللدنیہ میں امام قسطلانی نے روایت کی ہے حکم دیا کہ اے میرے محبوب کے نورؐ! ان انبیاء کی روحوں پر توجہ کر۔ آج کا یہ سارا بیان اس لائق ہے کہ آپ کو پتہ چلے کہ جس آقاؐ اور جس برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر ہم ایمان رکھتے ہیں اس کی نبوت کی عظمتیں کیا ہیں۔ اور باقی انبیاء کا مقام اس نبیؐ کی بارگاہ میں کیا ہے۔ اور اس نبی کی عظمت ان کی نگاہ میں کیا ہے۔ یہ باہمی تعلق اولیت ظہورِ نبوت کے حوالے سے آرہا ہے، تو فرمایا۔ میرے محبوب! یہ انبیاء ہونے والے ہیں ان کی روحیں موجود ہیں ان پر توجہ کر، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نورِ مبارک انبیاء کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا۔ جب متوجہ ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور نے تمام انبیاء کی روحوں کو لپیٹ لیا۔ انبیاء کی روحوں کو ڈھانپ لیا یعنی نور کا جو اجالا ہوا تو نورِ محمدیؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس اجالے سے تمام انبیاء کی روحیں ڈھانپی گئیں۔ اب انبیاء کرام بولے۔ اے باری تعالیٰ ہمیں کس کے نور نے ڈھانپ لیا ہے؟ یہ کیسا نور ہے جس نے ہم سب کو ڈھانپ لیا ہے۔ اس وقت اللہ جل مجدہ نے فرمایا! [2] هٰذَا نُوْرُ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اِنْ آمَنْتُمْ بِهٖ جَعَلْتُكُمْ

---

[1] سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت صفحہ ۶۱ بحوالہ المواہب اللدنیہ جلد اول صفحہ ۷"

[2] المواہب اللدنیہ جلد اول صفحہ ۸

اَنْبِیاء ۔ اے انبیاء کی روحو سنو! یہ میرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے اور اگر تم اس پر ایمان لاؤ گے تو تمہیں نبی بنا دونگا ، تو یہ حدیث پاک بتاتی ہے کہ اُن کو نبوت بھی ملی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کے صدقے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر ایمان کے صدقے میں نبوت ملی ۔ ان پر ایمان لاؤ گے تو تم کو نبی بنا دوں گا ۔ بس یہ بات سنتے ہی وہ بولے ! ۱ قَالُوْا آمَنَّا بِهٖ وَبِنُبُوَّتِهٖ ۔ باری تعالیٰ ! ہم اس پر اور اس کی نبوت پر ایمان لے آئے ہم حضورؐ پر اور حضورؐ کی نبوت پر ایمان لے آئے اُس پر اللہ جل مجدہ نے فرمایا ! ۳ فَقَالَ اللّٰہ تعالیٰ اَشْهَدُ عَلَيْكُمْ ۔ کہ یہ جو تم نے اس پر ایمان لانے کا اعلان کیا ہے اس پر میں گواہ ہوتا ہوں اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس واقعہ کو اللہ جلَّ مجدہٗ نے قرآن کی اس آیت میں بیان کیا ۴ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ۔ کہ جب اللہ نے انبیاء سے میثاق لیا ۔ یہی وجہ ہے کہ اب پتہ یہ چلا کہ ایک طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت سب سے پہلی نبوت بیان ہو رہی ہے اُس طرف حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سب سے پہلی بیان ہو رہی ہے تو دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق ، مطابقت اور موافقت کیا ہے ؟ بات بڑی کھل کر سامنے آ گئی اور اگر یہ سب چیزیں نظر کے سامنے ہوں تو مسئلے کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہتا ۔ بات یہ سامنے آئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت مرتبہ روحانیت میں سب سے پہلی ہے ، مرتبہ روحانیت میں حضور کی نبوت کا ظہور سب سے پہلا ہے ۔

اور مرتبہ بشریت میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا ظہور سب سے پہلا ہے ۔ اس لئے عرفاء نے بشریت کے بارے میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوّل الآباء قرار دیا اور روحانیت کے باب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اول الآباء قرار دیا ۔

۱: سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت بحوالہ المواہب اللدنیہ جلد اول ص۸

۲ " ایضاً ۔ "

۳ " ایضاً "

۴ " ایضاً "

اور امام نبہانی جواہر البحار میں لکھتے ہیں ، "ان اصل ارواحنا روح محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فھو اول الآباء روحاً و آدم اول الآباء جسماً" - پس ہم سب کی روحوں کی اصل ، ہم سب کی روحوں کا مبداء ہم سب کی روحوں کا نقطۂ آغاز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک ہے ، پس روحانی اعتبار سے آباؤاجداد میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ، جسمانی اعتبار سے آباؤاجداد میں سب سے پہلے حضرت آدم ہیں - سو مرتبہ بشریت میں حضرت آدم کی نبوت کا ظہور پہلا اور مرتبہ روحانیت میں یا حقیقت میں حضورؐ کی نبوت کا ظہور پہلا ہے - اس لئے بطون میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت پہلی ہے اور اس عالم خلق میں ظہور میں حضرت آدمؑ کی نبوت پہلی ہے - جب یہ ساری چیزیں سامنے آگئیں تو اب وہ اشکال اختلاف اور تضاد نہ رہا -

سو حاضرین محترم !

نظام قدرت یہ ہے ہر شے کے اندر اُس کا نظام یہ ہے کہ مختلف اعتبارات سے اولیت ہوتی ہے کسی کو اولیت کسی نسبت سے ملتی ہے ، کسی کو اولیت کسی نسبت سے ملتی ہے اور کسی کی اولیت اضافی ہوتی ہے RELATIVE ہوتی ہے اور کسی کی اولیت حقیقی اور REAL ہوتی ہے - تو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولیت کی بات ہوگی وہ REAL SENSE میں حقیقی اعتبار سے ہوگی - جب باقیوں کی اولیت کی بات ہوگی وہ RELATIVE SENSE یعنی اضافی اعتبار سے ہوگی - جس طرح حقیقی اور اضافی اولیتیں ہیں بالکل اسی طرح اللہ جل مجدہ کا یہ نظام نزول وحی میں بھی کارفرما ہے اُس اعتبار سے اقراء باسم ربک الذی خلق کی یہ سورۃ اور یہ آیتیں پہلی تنزیل ٹھہریں اور اس سے نبوت کا اعلان ہو گیا - اب رسالت کے منصب پر بٹھانے کے لئے "یا ایھا المدثر" یہ پہلی آیتیں اتریں "اقرا باسم ربک الذی خلق" نے نبوت کا اعلان کیا - "یا ایھا المدثر" نے رسالت کے

ا : سورۃ المدثر پ ۲۹ آیت نمبر ۱ -

۲ : سورۃ العلق پ ۳۰ آیت نمبر ۱ -

کے منصب کا اعلان کیا اور سورۃ فاتحہ نے امت کے لئے تعلیمات کے سلسلے کا آغاز کیا۔ تو ہر ایک کو اوّلیت ملی ۔ اس کو اولیت ملی باعتبارِ بعثت باعتبارِ نبوت دوسری آیتوں کو اولیت ملی باعتبارِ رسالت اور سورۃ فاتحہ کو اولیت ملی باعتبارِ درسِ انسانی، انسانی زندگی کا پہلا درس سورۃ فاتحہ کی صورت میں آگیا۔

حاضرینِ محترم! اب یہاں ایک بڑی لطیف اور پُرکیف اور وجد انگیز بات ہے جو اس پورے تصور کو سمو کر ایک نکتے پر لے آئیگی ۔ اور وہ ہے آغازِ وحی سے نزول فاتحہ تک ۔ اس کو کہیے کہ انفجار سے انغلاق تک ، حاضرینِ محترم - ! اللہ جل مجدہ نے سلسلۂ انسانیت کے آغاز سے بھی پہلے بلکہ باقی ارواح کی تخلیق سے بھی پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت عطا کر دی تھی اور نبوت کے مراتب عطا کر دیئے تھے ۔ نبوت کے کمالات اور فیض عطا کر دیا ۔ نبوت کے احکام جاری کر دیئے ۔ پھر اُس کے بعد سلسلۂ بشریت کا آغاز کیا ۔ سلسلۂ بشریت میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کو پہلا ظہور ملا ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نورِ پاک کو اللہ جل مجدہٗ نے عالمِ بشریت میں وجودِ بشری عطا کرنے کی خاطر اُس نورِ پاک کو انبیاء اور مختلف افراد اور آباء اُمہات کی پاک صُلبوں اور پاک رحموں میں سے نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنٍ گزارتا گزارتا وقتِ ولادت تک لے آیا ۔ حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا ظہور ہوا جسدِ بشری منصۂ شہود پر آیا ۔ اور نبوت چونکہ عالمِ ارواح سے مل چکی تھی اس لیے یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ ولادت کے وقت سے ہی اپنے بچپن سے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے نبیؐ ہونے کا علم تھا ۔ وہ نبوت جو سلسلۂ بشریت کے آغاز سے بہت پہلے مل چکی اور جس نبوت کا فیض سلسلۂ آدمیت کے آغاز سے بہت پہلے انبیاء کی روحیں پا چکی تھیں اس نبوت کا علم اور شعور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ولادت کے بعد اپنے بچپن میں بھی تھا ۔ اپنے لڑکپن میں بھی تھا اور نہ صرف اُس کا علم اور شعور تھا بلکہ اُس نبوت کے اثرات سیرت اور کردار کی پاکیزگی اور طہارت کی صورت میں جاری اور ساری تھے ۔ یہ اُسی نبوت کا نور تھا جو جسدِ بشریتِ محمدیؐ

میں چمک رہا تھا۔ اُسی نبوت کا نور تھا جو اِس پیکرِ بشریت میں چمکتا تھا اور اِس کے اثر سے بچپن کا زمانہ ہو یا لڑکپن کا کبھی قدم غلط سمت اُٹھتے نہ تھے۔ بچپن کا زمانہ ہو یا شباب کا رقص و سرود کی مجلسیں ہیں کہ سوسائٹی میں ہر طرف بپا ہیں لیکن طبیعت اُدھر کبھی جاتی نہ تھی۔ بُت کدے ہیں شرک کی آلودگیاں ہیں آگے پیچھے بادل اِن سے اٹا پڑا ہے لیکن جبینِ نیاز اُدھر جھکنے کا نام نہ لیتی تھی۔

ارے جبینِ مصطفویؐ کو بچپن لڑکپن اور شباب کے دور میں اعلانِ نبوت سے پہلے اُس شرک کی آلودگیوں سے اَٹے ہوئے ماحول کے اندر گھرانے میں ہر سو رشتہ داروں میں ہر سو قبیلے میں ہر سو، آگے پیچھے جدھر نظر اٹھاؤ جبین بتوں کے سامنے جھک رہی ہیں۔ ارے جس نے بچپن سے ہی پیشانیوں کو بتوں کے سامنے جھکتے دیکھا ہو اور اس کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو اور چالیس برس بیت جائیں اس کی پیشانی بت کے سامنے نہ جھکے تو وہ کیا شئی ہے جو بچا رہی ہے۔ ارے جس ماحول میں صبح تا شام ہر لحظہ ہر گھڑی ہر طرف شراب ہی شراب نظر آ رہی ہو۔ اور جہاں شراب کا پینا ہر لحظہ پانی کی طرح ہو جو اندر آتے باہر جاتے جہاں جائے شرابیں نظر آئیں۔ ارے اُس ماحول میں جس کے چالیس برس بیت جائیں اور اُس کی زبان اور اُس کا ذہن شراب کی بُو سے آگاہ نہ ہو۔ وہ کیا شئی ہے جس نے اُس کو بچا لیا۔ اگر نبوت چالیس برس کے بعد ملی تو یہ کیا شئی تھی جو سیرت و کردار کو بچا رہی ہے۔ ارے یہ وہی نورِ نبوت تھا جو پیکرِ بشریت میں چمکتا تھا اور ظہور تو اِس کا چالیس برس کے بعد ہونے والا تھا۔ لیکن برکتیں اس کی پہلے دِن سے ظاہر ہو رہی تھیں۔

سو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم تھا، شعور تھا اور یہ بھی علم تھا کہ چالیس برس کا وقت جب آئے گا اور وہ چالیس برس کا زمانہ بعثت کیا ہے، عمرِ بعثت کیا ہے وہ بشریت کے بلوغ کی حد ہے، اعلانِ نبوت کے لئے اور مخاطبہ الٰہی کے لئے بشریت کے بلوغ کی حد ہے۔ ایک حد ہوتی ہے۔ کہ بشریت جب اُس حد پہ پہنچے تو پھر نبوت کے اعلان کا اذن ملتا ہے۔ سو جوں جوں مخاطبہ الٰہی کا زمانہ کلام الٰہی کے سلسلے کے آغاز

کا زمانہ ، نزولِ وحی کا زمانہ ، بعثت اور اعلانِ نبوت کا زمانہ قریب آتا گیا ۔ اب یہ بات قابلِ توجہ ہے ۔ جوں جوں وہ دور قریب آتا گیا میرے آقا کے دِل کی دھڑکنیں تیز ہوتی گیئں اور جلوت سے دِل بھاگنے لگا اور خلوت سے محبت بڑھنے لگی ۔ شہر کی رونقوں سے دِل گریز کرنے لگا ۔ جنگلوں اور غاروں کی خلوتوں سے دِل کو رغبت ہونے لگی ۔ یہ کیا تشی تھی ؟ اضطراب کی کیفیتیں پیدا ہونے لگیں ، التہاف کی کیفیتیں پیدا ہونے لگیں ۔ گھر بار گلی کوچے شہر اور بازار کی رونقیں چھوڑ کر میرے آقا ایک ایک ماہ چالیس چالیس دن چلے جاتے اور غارِ حرا میں خلوت گزیں رہتے ، اقبالؒ اُسی کو بیان کرتے ہیں

مصطفےٰ اندر حرا خلوت گزید   مدتے جز خویشتن کس را نہ دید

مدتوں تک سوائے نفس کے اندر مراقبہ کرتے رہنے کے اور ذاتِ حق کے دیدار میں گم رہنے کے اور کسی کو نہ دیکھا ۔ اور غارِ حرا میں خلوت گزیں رہتے ، یہ کیفیت کیا تھی؟ یہ جو بے تابی بڑھتی گئی بے قراری بڑھتی گئی ، اضطراب میں اضافہ ہوتا گیا ۔ یہ سب کچھ کیا تھا ۔ ہجر اور فراق کے طویل عرصے کی ساری کیفیتیں بے چینی سے بدلتی گیئں ۔ یہ کیا تھا ۔ یہ بات بالکل وہی ہے جب کوئی شخص طویل زمانہ ہجر اور فراق کا کاٹتا چلا آرہا ہو اور اس کو پتہ ہو کہ فلاں دِن محبوب سے ملاقات کا دِن ہے ۔ اُس کو علم ہو کہ فلاں دِن اور فلاں لمحہ محبوب سے ملاقات کا لمحہ ہے ۔ تو ایمان سے کہیے کہ جوں جوں وہ دِن قریب آتا جائے اور پھر وہ دِن جیسے جیسے چڑھتا جائے ۔ اب جوں جوں وہ وقت قریب آتا جائے اور وہ جگہ قریب آتی جائے تو کیا دِل کی دھڑکنیں پہلی کی سی رہ جاتی ہیں ! نہیں دِل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں ، نبض تیز ہو جاتی ہے ، دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے ۔ بے چینیاں بڑھ جاتی ہیں ۔ اضطراب بڑھ جاتا ہے ، ایک ہیجان انگیز کیفیت محبت کے اندر ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے ، اور جوں جوں وقت قریب آتا ہے اس وقت ساری بے قراریاں اور ساری اداسیاں سمٹ جاتی ہیں ۔ ایک اضطراب کی کیفیت میں اور دِل چاہتا ہے کہ سارے فاصلے چشم زدن میں ختم ہو جائیں ۔ اور حُسنِ محبوب کے جلوے میں گم ہو جاؤں ، وہ کیفیت جو ہجر اور فراق کی مدت کو سمیٹ کر قُرب و وصال کے وقت اِنسان کو بے چین کرتی ہے ، بس جوں جوں چالیس برس کا زمانہ قریب آتا گیا

وہ ساری کیفیتیں میرے آقا میں اترتی گئیں۔ حضورؐ میں اترتی گئیں۔

اور [1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دور تھا ازدواجی زندگی کا، فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر بیان فرماتی ہیں کہ اس طرح جب وہ زمانہ قریب آتا گیا تو حضور کو خلوت سے محبت بڑھتی گئی اور غارِ حرا میں جانے لگے اور بیٹھنے لگے، پھر وہ وقت آیا کہ جلوہ حسنِ محبوب کا لمحہ قریب آ پہنچا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول بے قراری میں، بے تابی میں مراقب تھے۔ بشریت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس برس کے مرحلے طے کرکے اپنے اعلانِ نبوت کے لئے بلوغ کو پہنچ چکی تھی اور بیج عشق و محبت کا ہجر و فراق کی آگ میں پک چکا تھا۔ اب انگڑائیاں لے رہی تھی وہ طلب سو وہ وقت آیا کہ غارِ حرا کی خلوت تھی، ہر طرف اندھیرا تھا۔ ہر طرف تنہائی تھی تو اچانک بشریت کی حد جب بالغ ہو چکی تھی تو اچانک آقائے دوجہاں کی طلب تڑپی، ناموس اکبر گویا ہوا۔ حجاب اٹھ گیا اور سینۂ فراق کو چیر گیا اس میں سے محبوب کے حسن کا جلوہ بے نقاب ہوا۔ ادھر سے آواز آئی " [2] اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ " سو ناموس اکبر نے بڑھ کر اپنے محبوب کو گلے لگا لیا اور اس پہلے کلام اور پہلے تخاطب نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلۂ نبوت کا اعلان کر دیا۔ " اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ " کیا تھا۔! اس سے فجرِ نبوت کا طلوع ہو گیا، انبعاثِ وحی ہوا یا انفجارِ نبوت ہوا۔ اور بس محبوب سے ایک بار کلام کا موقع ملا۔ اس کی مٹھاس بھری آواز اس کی پیاری آواز کانوں میں پڑی محبوب کا ایک پیغام آیا اور بس پھر سلسلہ رک گیا۔ طریقہ یہی ہوتا ہے کہ ایک بار جلوہ دکھا کر پھر انتظار کی آگ میں تپایا جاتا ہے۔ طلب کو اور شدید کیا جاتا ہے۔ اور پھر کچھ وقت کے بعد پھر دوسرا جلوہ دکھایا جاتا ہے۔ بس ایک جلوہ غارِ حرا میں نظر آیا۔ ایک بار تخاطبہ کا موقع نصیب ہوا۔ اس کے بعد پھر درمیان میں وقت گزرا۔ انتظار میں طلب کی شدت پھر بڑھتی گئی۔ اس درمیانی انتظار

[1] سورۃ العلق پ ۳۰ ص ۱

[2] — ایضاً —

سے دور ایسے کہ بعض نادانوں نے یہ سمجھا وہ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب اس سے ناراض ہوگیا ہے ۔ جب کہ واقعہ یہ تھا کہ وہ ناراضگی کی تو بات ہی نہ تھی وہ تو طلب کی شدت کو اور پکایا جارہا تھا اور لذت کو اس کیف و سرور کو اور مستحکم کیا جارہا تھا اور مضبوط کیا جارہا تھا ۔

پھر انتظار کے اس مرحلے کے بعد آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر ایک روز وادی سے گزر رہے ہیں اور ایک بار بعض نگاہوں نے جلوہ دیکھا تھا اور بعض کانوں نے وہ آواز سنی تھی وہ ہر وقت اس تلاش میں رہتے ہیں کہ وہ گونج پھر آئے ، آنکھیں ہر وقت تلاش میں رہتی ہیں کہ وہ جلوہ پھر نصیب ہو ۔ جب طلب شدید تر ہوگئی تو کچھ وقت گزرنے کے بعد وادی سے گزر رہے ہیں اچانک پھر ندا آئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چہرہ پاک اٹھا کر دیکھا ۔ ندا آئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ۔ اور بس اس دوسری ندا نے اس محبت کی شدید طلب کی کیفیت نے جسم پر کپکپی طاری کردی اور یہ کپکپی کا طاری ہونا یہ کوئی نئی چیز نہ تھی یہ دراصل طلب کی شدت کا اثر تھا ۔ کپکپی طاری کردی ، میرے آقا گھر پہنچے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چادر اوڑھا دی ، لٹا دیا ، جب چادر اوڑھ کر لیٹے تو اب چونکہ ناموس اکبر رب ذوالجلال تخاطبے کا سلسلہ پھر شروع کرنا چاہتا ہے ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر پر لیٹ گئے تو ندا آئی ۔

[1] یا ایہا المدثر ، اے کمل اوڑھ کر لیٹنے والے ، اے چادر لے کر لیٹنے والے پیارے -!

اور اس آواز میں کتنا پیار تھا اور اس لقب میں ذرا سوچیئے یا ایہا المدثر ، لیٹے ہوئے ، اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے ، اے کمل لے کر لیٹنے والے ! اس میں کتنا پیار تھا ۔ کتنی شیرینی تھی -! آقائے دوجہاں کے کانوں کو کتنا سرور ملا ہوگا ! اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے یہ لقب سن کر کتنی لذت اور حلاوت کی کیفیت طاری ہوئی ہوگی -؟ فرمایا چادر اوڑھ کر لیٹنے والے ! اس میں بے ساختگی تھی تعلق کی بے تکلفی بھی تھی - اس میں پیار بھی تھا والہانہ پن بھی تھا اور یہ بھی جتاتا تھا کہ تجھے لاڈلا سمجھتے ہیں - اس انداز سے بلایا بس اس ایک ایک

---

[1] : سورۃ المدثر پ ۳۰ آیت نمبر ۱ ۔

لفظ سے پیار ٹپک رہا تھا ۔ اس طلب کی شدت کی تسکین ہوئی ۔ اور اب فرمایا محبوبؐ ! اُس پہلے مقابلے سے نبوت کا انفجار ہوا تھا ۔ پہلے مقابلے سے نبوت کا طلوع ہوا تھا ۔ اب تجھے مسندِ رسالت پر فائز کرنا چاہتے ہیں ، وہ نبوت کا اعلان تھا اور نبوت کا ظہور تھا اور فجرِ نبوت کا طلوع تھا ۔ اب تجھے اس حکم کے ذریعے مسندِ نبوت پر بٹھانا چاہتے ہیں ۔ [1] قُمْ فَاَنْذِرْ ہ اب اُٹھ کھڑا ہو اور غافل اور باغیوں کو رب کا ڈر سنا دے ۔

سو [2] اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہ کے حکم سے دورِ بعثت کا آغاز ہو گیا ، اور ان آیتوں سے دورِ رسالت کا آغاز ہو گیا ، اب اس کے بعد طلب ہوئی کہ باری تعالیٰ ! نبوت کی فجر بھی طلوع ہو گئی رسالت کا دور بھی شروع ہو گیا اب تو نے جن لوگوں کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور فریضہ رسالت سونپ دیا ہے اب ان کے لئے سبق عطا کر ۔ ان کی زندگی کو سنوارنے کے لئے پہلا سبق عطا کر تو نبوت و رسالت کے منصب بیان ہو چکے ، اب ضرورت تھی کہ قرآن کی شکل میں اُمت کو پہلا سبق عطا کیا جاتا ۔ انسانیت کے لئے پہلا درس اتارا جاتا ۔ تو جب انفجارِ نبوت کے بعد اور انبعاثِ رسالت کے بعد قرآن کی صورت میں اُمت اور انسانیت کے لئے پہلا سبق اور پہلا درس اُتارا جانے کا وقت آیا تو فرمایا ! [3] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ،، اس صورتِ فاتحہ کو حیاتِ انسانی کا پہلا سبق بنا دیا ۔ فرمایا محبوبؐ ! یہ چونکہ پہلا سبق ہے جہاں سے سلسلۂ تعلیماتِ قرآنی کا آغاز ہو رہا ہے اس لئے اُترنے میں بھی یہ سورۃ پہلی ہے ۔ اور قرآن کے اندر لکھے جانے میں بھی یہ سورۃ پہلی ہو گی ۔

تو حاضرین محترم ! اِقراء باسم ربك الذی خلق [4] امام جلال الدین سیوطی کے قول کے مطابق نبوت کے ظہور کے لئے وہ آیتیں پہلی تھیں ۔ اُن کو اولیت ملی ، رسالت کے منصب پر فائز کرنے کے لئے یا ایھا المدثر کی آیتوں کو پہلا شرف ملا اور انسانیت

---

[1] سورۃ المدثر پ۲۹ آیت نمبر ۲

[2] سورۃ اقراء پ۳۰ آیت نمبر ۱

[3] سورۃ فاتحہ پ۱ آیت نمبر ۱

[4] الاتقان جلد اول صد ۲۵

اور اُمت تک خدا کا سبق اور درس پہنچانے کے اعتبار سے سورۃ فاتحہ کو پہلا شرف ملا۔ یہ اولیت کی مختلف نسبتیں تھیں، اولیت کے مختلف زاویے تھے جو اللہ جل مجدہٗ نے اپنے اپنے اعتبار سے تینوں کو عطا کیئے، حاضرینِ گرامی! ہم اسی پر آج کا درس ختم کرتے ہیں۔

وَمَا علینا الّا البلاغ

سلسلہ وار ماہانہ درس قرآن نمبر ۲۳، بمقام چوہدری رحمت علی کمیونٹی سنٹر، جی سیون اسلام آباد

مورخہ ۵ اپریل سنہ ۱۹۸۷ء بروز اتوار

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

سعدیؒ

نظم

واللہ ہم ہر ایک یزیدی طاقت سے ٹکرائیں گے

انشاءاللہ سب طاغوتی بادل اب چھٹ جائیں گے
منہاج القرآن کے جھنڈے گلی گلی لہرائیں گے

بغض و انا کی کالی راتیں آخری پہر کو پہنچی ہیں
مہر و وفا کی سحر ہے گی، بچھڑے سب مل جائیں گے

دینِ متین کا غلبہ ہوگا اُمت ایک ہو جائے گی
واللہ ہم ہر ایک یزیدی طاقت سے ٹکرائیں گے

نامِ نبیؐ کا صدقہ کھائیں غیر کے در پہ کیوں جائیں؟
اِلا اللہ کی ٹھوکر سے بت سارے توڑ گرائیں گے

طاہر قادری گلشن میں ہے ایک انوکھا پھول کھلا
ہم اس پھول سے خوشبو چُن کر نگر نگر مہکائیں گے

پتا پتا بوٹا بوٹا کیفِ سرور میں جھومے گا
ذکرِ نبیؐ کے ہم پروانے گھر گھر دیپ جلائیں گے

جس مہتاب کے دم سے بزمِ انجم میں تابانی ہے
ہم سب اس کی کرنیں بن کر دھرتی کو چمکائیں گے

احمد نواز انجم
صدر
ادارہ منہاج القرآن اسلام آباد

مورخہ : ۸ مارچ ۱۹۸۷ء